الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ

اشرفیہ

مبارکپور

نومبر 2009

مبارک حسین مصباحی

۴۸۶

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبد العزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

زیرِ سرپرستی

عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبد الحفیظ صاحب قبلہ سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

ماہنامہ اشرفیہ

نومبر ۲۰۰۹ء

ذی قعد ۱۴۳۰ھ

جلد نمبر ۳۳ شمارہ ۱۱

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور

اعظم گڑھ یو۔پی۔ ۲۷۶۴۰۴

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur. Azamgarh

(U.P.) India. 276404

قیمت عام شمارہ: 15 روپے

سالانہ: 150 روپے

چیک اور ڈرافٹ

بنام

مدرسہ اشرفیہ

بنوائیں

کوڈ نمبر ——— 05462

دفتر ماہنامہ اشرفیہ ——— 250149

الجامعۃ الاشرفیہ ——— 250092

دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ

500 روپے

دیگر بیرونی ممالک

20 $ امریکی ڈالر 15 £ پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: info@aljamiatulashrafia.org

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

نگارشات

مرکزی مدرسہ بورڈ

مبارک حسین مصباحی

سچر کمیٹی کی رپورٹ کے بعد کسی حد تک مسلمانوں کے تعلیمی اعداد و شمار سامنے آچکے ہیں۔ مگر یہ افسوس ناک صورت حال صرف ہندوستانی مسلمانوں کی نہیں بلکہ کم و بیش عالمی سطح پر بھی مسلمانوں کی یہی حالتِ زار ہے۔ اس وقت دنیا میں ایک سو پچاس کروڑ سے زیادہ مسلمان ہیں، جب کہ یہودیوں کی تعداد صرف ایک کروڑ چالیس لاکھ ہے۔ یعنی ایک یہودی کے مقابلے سو مسلمان ہیں۔ یہودی دنیا میں تقریباً ۴۰ رفی صد یونیورسٹی تعلیم یافتہ ہیں جب کہ مسلم دنیا میں ایسے لوگوں کی تعداد ۲ رفی صد سے زیادہ نہیں۔ مسلم اکثریتی ممالک میں ہر دس لاکھ میں ۲۳۰ رسائنس داں ہیں۔ امریکہ میں ہر دس لاکھ میں چار ہزار اور جاپان میں ہر دس لاکھ میں پانچ ہزار سائنس داں ہیں۔ گزشتہ صدی میں یہودیوں نے ایک سو اسی (۱۸۰) نوبل انعامات حاصل کیے، جب کہ مسلمانوں نے صرف تین نوبل انعام حاصل کیے۔

یہ ایک سروے رپورٹ کا خلاصہ ہے۔ کیا مسلمانوں کی یہ تعلیمی پس ماندگی غیروں کی سازش کا نتیجہ ہے۔ مسلمانوں کے لیے تعلیم کے دروازے کہاں اور کس نے بند کر رکھے ہیں۔ جہاں تک ملازمتوں اور درس گاہوں میں تعصب کا معاملہ ہے، یہ کم و بیش ہر قوم میں موجود ہے۔ غیروں کے تعصب کو بنیاد بنا کر ہم اپنی تعلیمی ذمہ داریوں سے دامن نہیں چھڑا سکتے۔ اسلام ایک علمی اور فکری مذہب ہے۔ قرآن عظیم کی پہلی آیتِ کریمہ کا نزول "اقرأ" یعنی "پڑھو" سے ہوا۔ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم رحمتِ عالم اور معلمِ کائنات کی حیثیت سے مبعوث ہوئے۔

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "اطلبوا العلم ولو کان بالصین." معلمِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی قیامت تک مسلمانوں کو یہ پیغام دیتا رہے گا کہ علمِ دین کی طلب تو مسلمان مرد و زن پر فرض ہے ہی مگر جدید اور عصری علوم سے بھی مسلمانوں کو گریز نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من لم یعرف اھل زمانه فھو جاھل." "جو اپنے عہد کے لوگوں سے نا آشنا ہو وہ جاہل ہے۔"

میری اس گفتگو کا نشانہ یہ ہے کہ اسلام جدید علوم کا مخالف نہیں بلکہ جدید علوم کے حصول کا داعی ہے۔ مسلمانوں کا تاب ناک ماضی ایک کھلی کتاب کی طرح ہمارے سامنے ہے کہ مسلمان جب تک علم و حکمت اور ایجاد و تحقیق میں پیش قدمی کرتے رہے دنیا اسلامی محور پر گردش کرتی رہی۔ صنعت و حرفت، تجارت و معیشت ہر میدان میں مسلمانوں نے قیادت کی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ قدیم درس گاہوں میں جدید و قدیم کی کوئی تقسیم نہیں تھی بلکہ مجموعی طور پر عصری علوم اور جدید تحقیقات کے میدان قرآن و حدیث کی روشنی میں سر کیے جا رہے تھے۔ مگر جب اہلِ یورپ جدید علوم اور سائنسی تحقیقات میں برق رفتاری سے آگے بڑھے تو علمائے کرام دینی درس گاہوں میں محصور ہو گئے اور پھر وہ ہر جدید سے گریز کرنے لگے۔ حد تو یہ ہے کہ انگریزی جو ایک زبان ہے، ابتدا میں اس کا پڑھنا پڑھانا بھی ناجائز و حرام قرار دیا گیا تھا۔ جب سرسید نے اینگلو محمڈن عربک کالج کی بنا ڈالی تو علمائے دیوبند نے اس تحریک کی بھی شدید مخالفت کی تھی، مگر اب وہی انگریزی مدارس میں پڑھائی جا رہی ہے۔ سرسید کی اسی یونیورسٹی میں فارغینِ مدارس بڑے چاؤ سے داخل ہو رہے ہیں۔ اب ذمہ دارانِ مدارس بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ ہمارے مدارس کی اسناد فلاں فلاں یونیورسٹیوں میں منظور ہو چکی ہیں۔ اے کاش عصری جامعات میں فارغینِ مدارس کا یہ سلسلہ اگر شروع ہی سے جاری رہا ہوتا تو یونیورسٹیوں کے اساتذہ اور طلبہ پر مذہبی چھاپ بڑی گہری ہوتی۔ ہوتا تو وہی ہے جو زمانے کا جبری دباؤ ہوتا ہے، مگر بعد از خرابیِ بسیار۔

موجودہ حالات میں اہلِ مدارس کے سامنے ایک نیا مسئلہ آیا ہے "مرکزی مدرسہ بورڈ" کا۔ بلا غور و فکر کے اس کی بھی شدید مخالفت ہو رہی ہے۔ مقامِ حیرت یہ ہے کہ اس مخالفت کی بنیاد مرکزی مدرسہ بورڈ کے اصول و ضوابط کے بجائے موہوم اندیشوں پر رکھی گئی، قوم و ملت کے حوالے سے حساس ہونا اچھی بات ہے۔ مگر ذاتی اور مخفی مفادات کے تحفظ کے لیے قوم و ملت کو مفادات سے محروم رکھنا انتہائی افسوس ناک فکر و عمل ہے۔ اتر پردیش، بہار اور بنگال میں ایک عرصے سے صوبائی بورڈ کام کر رہے ہیں۔ یہاں کی حکومتوں نے مدارس میں اب تک کوئی ایسی مداخلت نہیں کی جسے دین پر حملہ کہا جا سکے، بلکہ اقتصادی طور پر غریب مدرسین کا بھلا ہوا ہے۔ بعض لوگ اس قسم کی بات کرتے ہیں کہ بہار کے ملحقہ مدارس میں تعلیمی ابتری عام ہے۔ سوال یہ ہے کہ جو مدارس ملحق نہیں انھیں میں کون سا اعلیٰ تعلیمی معیار قائم ہے۔ بلکہ اتر پردیش میں تو ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ جن مدارس

میں اعلیٰ تعلیمی معیار قائم ہے ان میں اکثر ملحق مدارس ہیں، جیسے جامعہ اشرفیہ مبارک پور، منظر اسلام بریلی شریف، جامعہ اسلامیہ روناہی فیض آباد، دار العلوم علیمیہ جمداشاہی، فیض الرسول براؤں شریف، جامع اشرف کچھوچھہ شریف، جامعہ امجدیہ گھوسی، دار العلوم شمس العلوم گھوسی، دار العلوم وارثیہ لکھنؤ، دار العلوم غریب نواز الہ آباد، مدرسہ حمیدیہ بنارس، مدرسہ فاروقیہ بنارس جامعہ نوریہ رضویہ بریلی وغیرہ۔ جو مدارس اب تک ایڈیڈ نہیں ہیں وہ ہر ممکن کوشش کرکے ایڈ کرانا چاہتے ہیں۔ سرکاری تنخواہوں کا معیار عام ملکی معیار سے پست ہونے کے باوجود مدارس کی دنیا میں اتنا اہم ہے کہ غیر ملحقہ مدارس کے اساتذہ اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔ اس مہنگائی کے دور میں دو تین ہزار روپے کی تنخواہوں پر علمائے دین کس کس مپرسی کے عالم میں گزارا کرتے ہیں۔ اس کا اندازہ نہ بڑے دار العلوموں کے ناظموں کو ہے اور نہ پارلیمنٹ کے مسلم ممبران کو۔ حکومت اور اہلِ ثروت کی نوازشات میں شرابور ملت کے ٹھیکے دار غریب مدرسین کو اخلاص وللّٰہیت کی تلقین کرتے ہیں۔ دین وملت کے تحفظ کے نام پر مگرمچھ کے آنسو بہانے والے یہ نام ور سیاسی علما کبھی اپنے حالات کا بھی محاسبہ کریں۔ آج جو مسلم سیاسی لیڈر مدارس کے لیے جدید تعلیم کو زہر قاتل تصور کررہے ہیں۔ ان کے بچے کس دینی مدرسے میں تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ اگر مدارس کے غریب طلبہ بی ایس سی بورڈ میں مجاز قرار پاتے ہیں تو انھیں امریکہ اور اسرائیل کا ہاتھ نظر آتا ہے اور خود اپنی اولاد کو انگریزی ماں کے دودھ میں گھول کر پلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ دینی تعلیم کے ساتھ یہ سوتیلا رویہ صرف سیاسی لیڈران اور دانش وران ملت کا نہیں بلکہ بہت سے دولت مند علما بھی اپنی اولاد کو مدرسوں میں پڑھانا معیوب سمجھتے ہیں۔

اب ذرا اس رخ پر بھی سنجیدگی سے غور کیجیے کہ مدرسہ بورڈ کی تشکیل اگر واقعی مضر اور دین وملت کے لیے خطرناک ہے تو چند سال قبل راجستھان اور مدھیہ پردیش میں یہ بورڈ کیوں قائم کرائے، واضح رہے کہ ان دونوں صوبوں میں حکومت کی پیش کش نہیں تھی بلکہ علما اور قائدین کا زبردست مطالبہ تھا۔ مدھیہ پردیش میں بورڈ کی تشکیل کے حوالے سے جب بھوپال میں کانفرنس ہوئی تھی۔ اس میں دیوبند، ندوہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، جامعہ ملیہ دہلی، قومی کونسل برائے فروغ اردو وغیرہ اداروں کے شیوخ اور پروفیسرز شریک ہوئے تھے اور اہلِ سنت کے نمائندے کی حیثیت سے راقم سطور بھی مدعو تھا۔ سارے ہی مقررین نے مدرسہ بورڈ کے قیام پر زور دیتے ہوئے اسے متحرک وفعال بنانے کی بات کہی تھی۔ ایک ہی چیز کی صوبائی سطح پر زوردار حمایت اور مرکزی سطح پر شدید مخالفت! آخر یہ معمہ کیا ہے؟

جہاں تک میری معلومات ہے، بالکل پہلی بار کسی حکومتی شعبے میں تمام مسلم فرقوں کی نمائندگی ملحوظ رکھی گئی، ورنہ آج تک تمام سیاسی شعبوں میں مسلم نمائندگی کے نام پر ایک ہی مسلک کی اجارہ داری رہی ہے۔ موجودہ سیاست سے کنارہ کش رہنے کی وجہ سے اہل سنت وجماعت کی سیاسی نمائندگی ہمیشہ نہ ہونے کے برابر رہی، مگر اب حکومتِ ہند نے بھی یہ سمجھ لیا ہے کہ ملک میں اسی (۸۰) فی صد مسلمان خانقاہی اور سنی مزاج و فکر کے حامل ہیں، ان کی نمائندگی کا بھی کوئی راستہ نکلنا چاہیے۔ اسی لیے مسودہ میں پہلی بار تمام فرقوں کی نمائندگی کی بات کہی گئی ہے۔ دیوبندی مولویوں اور لیڈروں کو یہ بات ناگوار گزری کہ مسلم قیادت کے نام پر اب تک سارا سیاسی نظام ہمارے نام وقف تھا۔ یہ مرکزی مدرسہ بورڈ تو ہمارے غاصبانہ حقوق پر شب خون ہے۔ جمعیۃ علمائے ہند کے صدر مولانا ارشد مدنی نے اپنے درد وکرب کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:

”یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ دیوبندی مکتبِ فکر کے مدرسے ہندوستان میں نوے فی صد ہیں۔ ان نوے فی صد مدرسوں کے نظامِ تعلیم، نصابِ تعلیم مسائل ومشکلات اور ان کی ترجمانی کے لیے بورڈ میں ایک آدمی اور وہ بھی گورنمنٹ کا قائم کردہ نمائندہ، کیا اربابِ مدارس اور مسلمانوں کو مطمئن کرسکے گا۔“ (روزنامہ راشٹریہ سہارا ۱۸؍۱۱ اکتوبر ۲۰۰۲)

قطع نظر اس کے کہ دیوبندی مدارس ۹۰؍فی صد ہیں یا ۲۰؍فی صد، مولانا ارشد مدنی کے اس ریمارک سے ان کے دل کی بات سامنے آہی گئی۔ یعنی اگر بورڈ کی مکمل باگ ڈور علمائے دیوبند کے حوالے کردی جائے تو بورڈ کی تشکیل میں انھیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ اس بین السطور کو ہائی لائٹ کرتے ہوئے فاضل دیوبند ایم وددو ساجد نے راشٹریہ سہارا کی اسی دستاویز میں لکھا ہے:

”میرا دعویٰ ہے کہ جو بڑے نامی گرامی علما مجوزہ بورڈ کی مخالفت میں دن رات ایک کیے ہوئے ہیں، ان کی مخالفت اصولی نہیں ہے۔ ایسا ہوتا تو دیوبندی اور بریلوی مکاتب فکر کے دو بڑے علما راز داری کے ساتھ بورڈ کی زیادہ سے زیادہ سیٹوں کا مطالبہ نہ کرتے۔ ان میں سے ایک نے تو ڈرافٹ کی تیاری میں شامل ایک بڑی شخصیت سے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر بورڈ کے دس میں سے سات ممبر میرے نہ ہوئے تو میں اس کی مخالفت کروں گا۔ نئے ترمیمی ڈرافٹ میں اب ۱۶؍اراکین کی گنجائش نکالی گئی ہے تو ممکن ہے اب ان کا مطالبہ ۷ کے بجائے ۱۰؍کا ہوجائے۔“

ظاہری بات ہے کہ ہندوستان بھر میں کوئی بریلوی بڑا عالم بورڈ کی حمایت یا مخالفت میں سرگرم نہیں۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ بریلوی عالم کا ذکر زیبِ داستاں کے لیے ہے۔

ہندوستان میں اہل سنت وجماعت (بریلوی مکتب فکر) کا سب سے بڑا ادارہ ”الجامعۃ الاشرفیہ“ مبارک پور ہے۔ اس کی آواز ملک کے ۸۰؍فی صد مدرسوں کی آواز ہوتی ہے۔ الجامعۃ الاشرفیہ بہت پہلے بورڈ کے حق میں اپنی مشروط رائے دے چکا ہے۔ ۱۱؍مئی ۲۰۰۸ء کو جناب جسٹس سہیل احمد صدیقی چیرمین اقلیتی کمیشن برائے ادارہائے تعلیم جامعہ اشرفیہ آئے اور جامعہ کے ہال میں کانفرنس بلائی جس میں مدارس کے نمائندوں نے بھی شرکت کی۔ موضوع پر تعارفی خطابات کے بعد ذمہ دارانِ مدارس میں تبادلۂ خیال ہوا اور آخر میں متفقہ طور پر حسب ذیل تحریر بنام جسٹس سہیل صدیقی لکھی گئی۔

۱- مدرسہ بورڈ خود مختار ادارہ ہونا چاہیے۔ ۲- یہ بورڈ سرکاری مداخلت سے مبرا ہونا چاہیے۔

۳- مدرسہ بورڈ کو ملحق مدارس کے دینی نصاب میں کسی طرح بھی دخل دینے کا اختیار نہیں ہونا چاہیے۔

۴- عصری علوم کا بار اتنا زیادہ نہ ہو کہ دینی مضامین کے لیے خاطر خواہ وقت ملنا دشوار ہوجائے۔

۵- مدرسہ بورڈ کا چیرمین ایسی غیر سیاسی شخصیت ہونا چاہیے جسے دینی مدارس کے معاملات سے آگاہی اور ہم دردی ہو۔

۶- یہ بورڈ پارلیمنٹ کے ایکٹ کے ذریعہ قائم کیا جائے۔

ہمیں امید ہے کہ ان شرطوں کے ساتھ مرکزی مدرسہ بورڈ کا قیام عمل میں آئے گا تو مدارس کے اقلیتی کردار پر کوئی حرف نہ آئے گا، اور عصری علوم میں ان کی ترقی، ملک کی جامعات سے وابستگی اور مدارس کے تعلیم یافتہ افراد کے لیے مختلف سرکاری محکموں میں پہنچ کر عمدہ کارکردگی کے مواقع فراہم ہوں گے اور وہ ایک محدود دائرے سے نکل کر وسیع میدان میں اخلاص ودیانت داری کے ساتھ اپنی خدمات سے قوم اور ملک کو فائدہ پہنچانے میں معاون ومددگار رہوں گے۔ از: محمد احمد مصباحی، پرنسپل الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

جامعہ اشرفیہ اب بھی اپنی اسی رائے کا اعلان کرتا ہے۔ اب جب کہ ملک بھر میں مرکزی مدرسہ بورڈ موضوع بحث بنا ہوا ہے اور مرکزی وزیر جناب کپل سبل صاحب بار بار یہ یقین دہانی کرارہے ہیں کہ مجوزہ ڈرافٹ حرفِ آخر نہیں بلکہ علما اور اہل علم ودانش جو مشورہ دیں گے، ڈرافٹ میں ترمیم کردی جائے گی، اس کے بعد ہی اسے پارلیمنٹ میں منظوری دلائی جائے گی، مذکورہ سفارشات کے علاوہ ڈرافٹ میں اصلاح کے لیے ہم کچھ مزید سفارشات نوٹ کرتے ہیں۔ امید کہ نئے ڈرافٹ میں حسب ذیل امور کو بھی شامل کیا جائے گا۔

۱- بورڈ سے مدارس کا الحاق اختیاری ہو، نیز بورڈ سے ملحق مدارس کو الحاق ختم کرنے کا بھی اختیار ہو۔

۲- مدارس میں بورڈ کے معیار وشرائط کے اعتبار سے ہی مدرس اور ملازم رکھیں لیکن ان کے انتخاب اور تقرر کا اختیار مدرسہ کی انتظامیہ کو ہو۔

۳- ڈرافٹ میں حفظ وقراءت، مولوی، عالم اور فاضل کی تعلیم کا واضح ذکر نہیں ہے، جب کہ مدارس کی یہی تعلیم اصل ہے۔ ڈرافٹ میں اس تعلیم کی یقین دہانی بھی ہونی چاہیے کہ دینی تعلیم کا نصاب ونظام کیا ہوگا۔

۴- سائنس، انگریزی اور کمپیوٹر کے اساتذہ کی تنخواہیں تو بورڈ فراہم کرے گا مگر حفظ وقراءت اور عربی درجات کے اساتذہ کی تنخواہیں بورڈ کس طرح اور کس معیار کی دے گا، اس کی وضاحت بھی ڈرافٹ میں ہونی چاہیے۔ عربی درجات کے مدرسین کی تنخواہیں یو. پی مدرسہ بورڈ کے نہج پر ہوں تو بہتر ہے۔

۵- جدید علوم کی تعلیم وتربیت کے لیے عمارتوں اور دیگر ضروری اشیا کے تعلق سے بورڈ کا کیا تعاون ہوگا اور اس کا طریقۂ کار کیا ہوگا۔ ڈرافٹ میں اس کی وضاحت بھی ہونی چاہیے۔

مرکزی مدرسہ بورڈ کے ڈرافٹ میں ترمیم واصلاح کے تعلق سے یہ ہماری تجاویز تھیں۔ مزید کوئی اچھی بات سامنے آئے تو اس کو بھی مدِ نظر رکھا جائے۔ اس پس منظر اور پیش منظر میں کل ہند پیمانے پر بورڈ کی حمایت ہونی چاہیے۔ جہاں تک یہ بات کہی جارہی ہے کہ بورڈ کے قیام میں اسرائیل اور امریکہ کا ہاتھ ہے، یا حکومت مدارس پر قبضہ کرلے گی۔ ان باتوں میں کوئی دم نہیں ہے۔ ہمارے علما اور دانش وروں کو چاہیے کہ مرکزی مدرسہ بورڈ کے تعلق سے سنجیدگی سے غور کریں۔ موہوم خطرات کی بات کرکے امتِ مسلمہ کو ایک بہت بڑے تعلیمی فائدے سے محروم نہ کریں۔ خدارا اپنے سیاسی مفادات کے حصول کے لیے لاکھوں نادار اور غریب مدرسین کے حال ومستقبل سے کھلواڑ نہ کریں۔ اور جس طرح اپنے بچوں کے مستقبل کے تحفظ پر نظر رکھتے ہیں۔ مدارس کے غریب ونادار طلبہ کے مستقبل کی تعمیر وترقی پر بھی نظر رکھیں۔ ☆☆

مالِ قرض پر زکوٰۃ کے احکام

مالِ قرض پر زکوٰۃ کی ادائیگی کے سلسلے میں عام طور پر بڑی لا علمی اور غلط فہمی ہے، کچھ لوگ یہ کہ کر زکوٰۃ ہی ادا نہیں کرتے کہ ہم خود ہی مقروض ہیں، زکوٰۃ کیسے نکالیں۔ ایک سوال یہ بھی گردش کرتا رہتا ہے کہ مالِ قرض کی زکوٰۃ سال گزرنے پر مقروض کو ادا کرنا ہے یا قرض خواہ کو یا دونوں میں سے کسی کو نہیں۔ اس پس منظر میں چند سوالات پیش نظر ہیں:

(۱) اگر کسی شخص پر اس کے مال کے علاوہ دوسرے کا قرض بھی ہے تو وہ کل مال کی زکوٰۃ ادا کرے گا یا قرض وضع کر کے صرف اپنے مال کی؟

(۲) مالِ قرض کی زکوٰۃ سال گزرنے پر مقروض پر واجب ہوگی یا قرض خواہ پر؟

(۳) اگر قرض خواہ پر واجب ہوگی تو ہر سال یا وصولیابی کے بعد؟

(٤) اگر مقروض خوش حال ہے کہ قرض خواہ جب بھی اس سے اپنا مال طلب کرے تو واپس دے دے تو قرض خواہ پر اس مال کی زکوٰۃ ہر سال واجب ہوگی یا نہیں؟

(٥) اگر مقروض تنگ دست ہے یا قرض کی ادائیگی میں قصداً تاخیر کر رہا ہے تو قرض خواہ پر قرض کی وصولی کے بعد زکوٰۃ واجب ہوگی یا عدم وصولی کے باوجود ہر سال؟

از مبارک حسین مصباحی

مالِ قرض کی زکوٰۃ مقروض پر واجب نہیں

مدیون و مقروض کا مال زکوٰۃ کے عمومی نص سے خارج ہے

مفتی آل مصطفی مصباحی، جامعہ امجدیہ، گھوسی، ضلع مئو

جواب (۱) --- جو شخص اپنی موجودہ مالی پوزیشن کے اعتبار سے صاحب نصاب ہے مگر وہ مدیون و مقروض بھی ہے تو اگر اس کی حالت و کیفیت یہ ہے کہ نصاب میں سے اگر دین وضع کر لیا جائے تو مقدار نصاب باقی نہیں رہتی، تو ایسے مقروض و مدیون پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی کہ اس کا مالِ نصاب قرض میں مستغرق ہے اور قرض خواہ کو یہ اختیار شرعاً حاصل ہے کہ وہ اپنے مقروض سے جب چاہے اپنے قرض کی رقم کا مطالبہ کرے۔ اس لیے فقہاے احناف نے یہ وضاحت فرما دی ہے کہ زکوٰۃ واجب ہونے کی شرائط میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ نصابِ زکوٰۃ دَین سے فارغ ہو۔ بعض فقہا نے دیون کی قدرے تفصیل بھی ذکر فرمائی کہ دین کا مطالبہ خواہ بندوں کی جانب سے ہو جیسے قرض، بکے ہوئے مال کی قیمت، تلف کردہ سامان کا تاوان، وغیرہ یا اس کا مطالبہ اللہ عزوجل کی جانب سے ہو جیسے زکوٰۃ و خراج وغیرہ۔ فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

”ما يمنع وجوب الزكوٰة أنواع منها الدين قال أصحابنا كل دين له مطالب من جهة العباد يمنع وجوب الزكوٰة سواء كان الدين للعباد و فى الخانية: كالقرض و ثمن المبيع و ضمان المتلفات و إرش الجراحة و مهر المرأة و فى شرح الطحاوى: و نفقة المرأة اذا صارت ديناً عليه و نفقة الأقارب إذا صارت ديناً عليه . و فى الخانية: سواء كانت دين من النقود أو المكيل أو الموزون أو الثياب أو الحيوان و جب بنكاح أو خلع أو صلح عن دم عمد وهو حال أو مؤجل. أو لله تعالىٰ كدين الزكوٰة.“ (ج:۳، ص:۱۵۱، بیروت)

بدائع الصنائع میں فرضیتِ زکوٰۃ کی شرطوں کے بیان میں ہے:

”ومنها ان لايكون عليه دين مطالب به من جهة العباد عندنا فان كان فانه يمنع وجوب الزكوٰة بقدره حالاً كان أو مؤجلا.“ (بدائع الصنائع، ج:۲، ص:۸۳)

یہ مسلک امام الائمہ کاشف الغمہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے اور یہی امام مالک اور امام احمد بن حنبل کا بھی ہے۔ امام شافعی کے نزدیک یہ شرط نہیں۔ وہ دین کو وجوبِ زکوٰۃ سے مانع نہیں مانتے۔

علامہ کاسانی حنفی نے اپنے مسلک کی تائید میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت ذکر فرمائی ہے کہ آپ نے رمضان المبارک کے مہینے میں خطبہ دیا اور فرمایا: ”آگاہ ہو جاؤ! زکوٰۃ کی ادائیگی کا مہینہ آگیا تو جس کے پاس مال ہے اور اس پر دین بھی ہے تو اپنے مال اور دین دونوں کا حساب لگائے۔ اگر دین کے حساب کے بعد مال بچ جائے تو اس کی زکوٰۃ دے۔“ (موطا امام محمد، ص:۳۲۳، باب زکوٰۃ المال)

چوں کہ یہ حدیث حضرت عثمان نے صحابہ کرام کی موجودگی میں بیان کی اور کسی نے انکار نہ فرمایا تو اس پر صحابہ کا اجماع ہو گیا کہ جتنا مال دین میں مشغول ہوگا اتنی مقدار کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

مدیون پر عدم وجوبِ زکوٰۃ کے تعلق سے علامہ کاسانی نے بڑی عمدہ گفتگو فرمائی ہے جس سے شریعت کے مقصد و منشا اور احکامِ زکوٰۃ کی حکمت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ:

(۱) مدیون و مقروض کا مال، زکوٰۃ کے عمومی نص سے خارج ہے۔

(۲) مدیون کے لیے ادائیگی دین کی بقدر مال اس کی حاجتِ اصلیہ سے ہے۔ لہٰذا قرض میں مشغول مال سے مال داری کا تحقق نہ ہوگا۔ گو کہ وہ بظاہر ایک نہیں چند نصاب کا مالک ہو۔

بدائع الصنائع میں ہے: ”وبه تبين انّ مال المديون خارج عن عمومات الزكوٰة ولأنه محتاج الى هذا المال حاجة اصلية، لأن قضاء الدين من الحوائج الاصلية، والمال المحتاج اليه حاجة أصلية لا يكون مال الزكوٰة، لأنه لا يتحقق به الغنى، ولا صدقة عن ظهر غنى على لسان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم.“ (بدائع الصنائع، ج:۲، ص:۸۳)

اسی طرح نصاب واجب ہونے والی زکوٰۃ اور زکوٰۃ کا دین بھی مانعِ وجوبِ زکوٰۃ ہے اور اس میں اموالِ ظاہرہ و باطنہ کی تفریق نہیں۔

”والزكاة الواجبة فى النصاب أو دين الزكوٰة بأن أتلف مال الزكوٰة حتى انتقل من العين الى الذمة فكل ذلك يمنع وجوب الزكوٰة فى قول ابى حنيفة و محمد رحمهما الله تعالىٰ سواء كان فى الاموال الظاهرة او الباطنة.“ (بدائع الصنائع، ج:۲، ص:۸۵)

البتہ وہ دیون جن کا مطالبہ بندوں کی جانب سے نہیں ہوتا اور احکامِ دنیا میں اس کا اثر بھی ظاہر نہیں ہوتا مثلاً عدم ادا کی صورت میں سلطان یا قاضیِ اسلام کی طرف سے متعلقہ شخص کو محبوس و مجبور نہیں کیا جاتا جیسے نذر، کفارہ، صدقۂ فطر، حج وغیرہ تو وہ وجوبِ زکوٰۃ سے مانع نہیں۔ بدائع الصنائع میں ہے:

”و أما الديون التى لا مطالب لها من جهة العباد كالنذور والكفارات و صدقة الفطر ووجوب الحج و نحوها لا يمنع وجوب الزكاة لأن أثرها فى حق أحكام الآخرة و هو ثواب بالأداء والإثم بالترك فلا أثر له فى احكام الدنيا ألاترى أنه لا يجبرولا يحبس فلا يظهر فى حق حكم من احكام الدنيا فكانت ملحقة بالعدم فى حق احكام الدنيا.“

(بدائع الصنائع، ج:۲، ص:۸٦، كتاب الزكوٰة)

(ب) - اور اگر مقروض و مدیون شخص صاحب نصاب ہے اور اس کی حالت و کیفیت یہ ہے کہ نصاب سے اگر دین وضع بھی کر لیا جائے تو مقدار نصاب یا کئی نصاب باقی رہ جاتے ہیں تو اس پر قرض کی منہائی کے بعد باقی رقم پر زکوٰۃ کی ادائیگی لازم ہوگی۔

جواب (۲/۳/۴) - فقہاے حنفیہ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ:

مالِ قرض کی زکوٰۃ مقروض پر واجب نہیں، ہاں اس کا وجوب اس کے شرائط کے ساتھ قرض خواہ پر ہے، بایں طور کہ سال بہ سال اس کی زکوٰۃ مقروض (قرض دینے والے) پر واجب ہوتی رہے گی، جب تک نصاب باقی رہے۔ مگر زکوٰۃ ادا کرنا اس وقت لازم ہوگا جب کہ اس کے قبضے میں کم از کم نصاب کا پانچواں حصہ آجائے، اس وقت مثلاً چالیس درہم میں ایک درہم یعنی چالیسواں دینا لازم ہوگا۔

فرض کیجیے! زید کے بکر پر دو سو درہم قرض تھے۔ کئی سال کے بعد بکر نے زید کو چالیس درہم دیے تو زید پر فی الحال چالیسواں کی زکوٰۃ یعنی ایک درہم ادا کرنا لازم ہوگا۔ باقی رقم جب وصول ہوگی تو کل میں سالہاے گزشتہ کی بھی زکوٰۃ دینی لازمی ہوگی۔ البتہ سال اول میں زکوٰۃ کی جو مقدار ہے وہ سال دوم میں، اسی طرح سالِ دوم کی سالِ سوم میں، علیٰ ہذا القیاس منہا ہوتی رہے گی۔ کیوں کہ فقہا کی صراحت

کے مطابق یہ دین، دینِ قوی کے زمرے میں آتا ہے، لہٰذا دائن پر اس کی زکوۃ واجب ہوگی اور ادائیگی بعد قبضہ لازمی ہوگی۔

تنویر الابصار و در مختار میں ہے: "اعلم ان الدیون عند الامام ثلثة قوی متوسط ضعیف (تجب) زکاتها اذا تم نصاب و حال الحول لکن لا فورا بل (عند قبض اربعین درهما من الدین) القوی کقرض (وبدل مال تجارة) فکلما قبض اربعین یلزمه درهم." (ج:۲، کتاب الزکاۃ)

یعنی امام اعظم کے نزدیک دیون تین طرح کے ہیں:

(۱) قوی (جیسے قرض اور مالِ تجارت کا بدل)۔ (۲) متوسط (غیر تجارتی مال کا بدل جیسے چرنے والے جانور اور خدمت گار غلام کی قیمت)۔ (۳) ضعیف (غیر مال کا بدل جیسے مہر، دیت وغیرہ)۔

تو جب نصاب پورا ہو جائے اور سال گزر جائے تو ان کی زکوۃ ادا کی جائے گی لیکن فی الفور نہیں بلکہ دین قوی کے چالیس درہم پر قبضہ کرنے کے بعد جیسے قرض، مالِ تجارت کا بدل۔ لہٰذا جب جب چالیس درہم پر قابض ہوگا ایک درہم لازم ہوگا۔

جواب (۵) - اگر مقروض تنگ دست یا قرض کی ادائیگی میں قصداً تاخیر کر رہا ہے مگر وہ قرض کا اقرار کرتا ہے یا مقروض قرض کا انکار تو کرتا ہے مگر مُقرِض (قرض خواہ) کے پاس قرض پر دلیل و برہان موجود ہے تو ایسے مال پر سال بہ سال زکوۃ واجب ہوتی رہے گی۔ البتہ ادائیگی اس وقت واجب ہوگی جب کہ کم از کم خمس نصاب پر قابض ہو جائے۔ فتاوٰی عالم گیری میں ہے:

"و من مال الضمار الدین المجهود والمغصوب اذا لم یکن علیهما بینة فان کانت علیهما بینة وجبت الزکوٰة." (ج:۱، ص:۱۶۳)

اور اگر کسی کو قرض کے طور پر رقم دی گئی اور اس پر کوئی دلیل نہیں، نہ ہی مقروض اس کا اقرار کرتا ہے بلکہ وہ اس کا منکر ہے تو اس رقم کی زکوۃ گزشتہ سالوں کی واجب نہیں۔ بلکہ جب رقم ملے گی تو اپنے شرائط کے ساتھ زکوۃ صرف سالِ رواں کی لازم ہوگی۔

فتاوٰی عالم گیری میں ہے: "والدین المجهود اذا لم یکن علیه بینة ثم صارت له بینة بعد سنین بأن اقرّ عند الناس لا تجب علیه الزکاة هکذا فی التبیین."

وجہ یہ ہے کہ جو مال کسی پر قرض ہو جب تک وصول نہ ہو مالِ کامل نہیں اور اگر مفلس یا منکر پر ہے تو گویا وہ رد مال ہے تو اس سے تمول و غنا نہیں ہوتا کہ زکاۃ واجب الادا ہو، کیوں کہ زکوۃ قدرتِ ممکنہ سے نہیں، قدرتِ میسرہ سے واجب ہوتی ہے۔ ھذا ما ظھر لی واللہ تعالیٰ اعلم☆

(ص ۳۹ کا بقیہ) اسلامی اور غیر اسلامی ادب کی تقسیم بھی مناسب اور معقول اضافہ ہے۔ لیکن اگر ادب صرف ادب ہے، اسی پر اصرار ہے تو سوال یہ ہے کہ ادب ایک عالمی فن یا آرٹ ہے، دنیا کی تمام معیاری زبانوں میں پایا جاتا ہے کسی خاص زبان یا زمان و مکان سے قطعی بالاتر ہے اور اسی طرح اس کی اصناف بھی عالمی معیار کی ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ ادب کو اردو ادب، انگریزی ادب، فرانسیسی ادب، عربی ادب وغیرہ کہہ کر گھیرا اور محدود کیا جاتا ہے۔ اور اگر یہ دعویٰ ہے کہ مذہبی تحریریں صرف اس وجہ سے ادبی نہیں ہو سکتیں کہ وہ مذہبی ہیں، تو یہ محض باطل دعویٰ ہے۔ کلام الٰہی عربی زبان و ادب میں مذہبی ادب کا شاہ کار ہے۔ غرض مذہبی تحریروں کو مطلق قابل اعتنا نہ گرداننا اور ادب کے کسی زمرہ میں نہ لانا نہایت حیرت کی بات ہے، جس کی اب تک کوئی معقول وجہ سامنے نہیں آسکی ہے۔

کسی قدر یہ احساس شاید مناسب ہے کہ مذہبی تحریریں اکثر خشک، ٹھنڈی، بے کیف، اور بے لطف ہوتی ہیں جن کے پردے میں بعض عمدہ نگارشات بھی زیادہ قابل توجہ نہیں بن پاتیں اور دبی رہ جاتی ہیں، گویا گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔ مزید یہ کہ جو تحریریں عمدہ اور شستہ کہی جاسکتی ہیں ان میں عموماً مقصدیت لطف بیان پر غالب رہتی ہے۔ اور قاری کا ذہن معلومات کے حصول میں الجھ کر رہ جاتا ہے، جیسا کہ ریاضیات کی کتاب میں آدمی ہرگز لطف بیان سے محظوظ نہیں ہوتا اور اس کا ذہن صرف مسائل کے حل میں لگا رہتا ہے۔ کہنا یہ ہے کہ مذہبی تحریریں صرف موضوعی اور معلوماتی ہو کر رہ جاتی ہیں اور عموماً قاری کا ذہن یک رخی کے ساتھ باندھ دیتی ہیں۔ مذہبی تحریروں پر نقد و نظر کرتے ہوئے بھی بڑے سے بڑا ادیب و ناقد گھبراتا اور کترانے لگتا ہے جب کہ کسی بھی نثر پارے کا ادبی معیار مفصل و مکمل نقد و نظر کے بغیر قائم نہیں کیا جاسکتا۔ مذہبی تحریریں اس وجہ سے بھی حصۂ ادب بننے سے رہ جاتی ہیں۔ اور رہا یہ الزام جو عموماً علمائے کرام اور مذہبی جذبہ رکھنے والے اہلِ قلم حضرات کی طرف سے دیا جاتا ہے کہ مذہبی تحریروں یا کتابوں کو ادب کے کسی خانہ میں نہ رکھنے کے پس پردہ مذہب بیزاری کا جذبہ کارفرما ہے تو یہ نہایت سنگین الزام ہے، کم از کم میں اس کا قائل نہیں۔

......از: محمد ناصر مصباحی رام پوری، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی-۲۵......

فکر امروز

جوتھی قسط

ابلیس کی مجلس شوریٰ کا دوسرا اجلاس

مولانا محمد اسحاق مصباحی

ابلیس - حاضرین! آپ ابھی ہماری دو وزارتوں کا حال دیکھ چکے ہیں، اب آپ کے سامنے جناب شیطان مجتہد حرب، باش امریکی صاحب تشریف لا رہے ہیں۔

باش امریکی - حاضرین کو آداب، میں باش امریکی جس کو وزارتِ توسیع جنگ سپرد کی گئی تھی حاضر ہوں۔ مجھ سے قبل آپ ابلیسِ اعظم کا خطبہ اور رشید صاحب اور ویلفر ائڈ روسی صاحب کی وزارت کی کارکردگی ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ مجھے باش کہیے یا اوباش، مجھے سب زیب دیتا ہے۔

ہماری وزارت بہت بڑی وزارت ہے۔ اس کے لیے انٹر پول اور ۱۳۵ ملکوں کی خفیہ ایجنسیاں، ۵۱ ملکوں کی فوج براہ راست، باقی کی فوج در پردہ اور ایک سو پانچ ملکوں کے سربراہ کھل کر کام کر رہے ہیں۔ ہماری اس وزارت کا منصوبہ منتشر قومِ یہود کے مفکرین نے پانچ سو برس قبل بنایا تھا اور دو سو برس سے اس نے با قاعدہ کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس وزارت کے تین اہم شعبے ہیں:

(۱) - انسانیت کے خلاف جنگ۔

(۲) - مسلمانوں کے خلاف جنگ۔

(۳) - غریب اقوام کے خلاف جنگ۔

اور آج ہم ان تینوں میدانوں میں بے حد کامیابی حاصل کر چکے ہیں۔ غریب عوام کے خلاف جنگ میں ہم نے ان کے کپڑے تک اتروا لیے ہیں۔ ان کے لیے سر چھپانے اور حلق تر کرنے کو دانہ پانی نہیں ہے۔ ان کے ملکوں کی دولت آج ہمارے ہم نوا فلم اسٹارس، صنعت کاروں کے کھاتوں میں جمع ہے۔ ان عوام پر ہم نے سو سو طرح کے ٹیکس لگا کر ہر طرح کی شے کو سونے کے بھاؤ کر دیا ہے اور ان ٹیکسوں کا پیسہ ہمارے ہم مقصد لوگ طرح طرح کی شرارتوں میں استعمال کر رہے ہیں۔ ان فقیر اقوام کو ہم نے ایسا الجھا دیا ہے کہ وہ آپس میں لڑ کر ہمارے لوگوں کے خزانوں کو بھر رہے ہیں اور خود اپنے لوگوں کے خلاف ہمارے لوگوں کے دیے ہوئے ہتھیار استعمال کر رہے ہیں۔ ہر غریب ملک میں سو سو طرح کی سینائیں اور لشکر ہمارے ایجنٹس نے تیار کر دیے ہیں۔ خصوصاً فلسطین، برما، ہندوستان اور پاکستان میں ان غریب عوام کی زمین اور گھر ہڑپنے کے قانون موجود ہیں۔ ان غریب عوام کی غریبی کی سطح روز بروز گرتی جا رہی ہے۔ ہم اور ہمارے مال دار صنعت کار اور پارلیمینٹ اور قانون ساز ادارے ان کو موت کے منہ تک لانے میں جلد کامیاب ہو جائیں گے۔

انسانیت کے خلاف جنگ میں ہمیں یہ کامیابی ملی ہے کہ ہم نے ایسے ہتھیار تیار کر لیے ہیں جو پوری انسانیت کو ایک دو بار نہیں بلکہ ۷ہر بار ختم کر سکتے ہیں۔ تمام دنیا کو ہم نے بارود کے ڈھیر پر کھڑا کر دیا ہے، بس فتیلہ جلانے کی دیر ہے۔ تمام ملک اپنے غریب عوام کی تعلیم اور ترقی کے بجائے دولت کا اکثر حصہ ہتھیاروں پر خرچ کر رہے ہیں۔ ہم لوگ امریکی اور یہودی اپنے تجارت پیشہ لوگوں کے ذریعہ پوری دنیا کو مہلک ہتھیار سپلائی کر رہے ہیں۔ جب ایک ملک کو دیتے ہیں تو اس کا پڑوسی ملک اس سے زیادہ قیمت دے دیتا ہے۔ اس طرح سے ان سب ملکوں کی شہ رگ پر ہمارا ہاتھ آگیا ہے اور پوری انسانیت ہمارے فساد کی زد پر ہے۔ ہم نے ایٹم بم، نیوکلیر بم، جراثیمی اور کیمیاوی بم، فاسفورس بم، کاسٹر بم، ہائڈروجن بم، خودکار طیارے، بمبار طیارے، ایٹمی آب دوز، طیارہ بردار بیڑا وغیرہ تیار کر لیے ہیں۔ ہم گروہِ شیطان کے ماننے والے یہ سوچ رہے ہیں کہ اگر کسی سیارہ پر ہمارے لوگوں کو ٹھہرنے کے لیے مناسب ماحول مل جائے تو وہاں بس جائیں اور زمین پر باقی تمام انسانوں کو ختم کر دیں، پھر دوبارہ اس زمین کو دیکھیں۔ اس کے لیے مریخ سیارہ پر ہم نے مشن بھی بھیجا ہے اور کوشش کر رہے ہیں کہ وہاں ۱۸۰ ڈگری درجۂ حرارت سے کسی طرح محفوظ رہ سکیں۔

اسی طرح انسانیت کے خلاف جنگ میں ایک اور بڑی کامیابی حاصل کی ہے کہ تمام خوردنی اشیا میں ملاوٹ کے طریقے

انسانوں کو تعلیم دیے ہیں۔ زہریلے کھاد اور بانجھ بیج تیار کرائے ہیں۔ کیمیاوی عضویاتی یعنی جینک خوراک اور غلہ تیار کرایا ہے جس سے کوئی غذائی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اس طرح آپ عن قریب روے زمین پر انسانوں اور جانوروں کو بھوکوں مرتے، تڑپتے دیکھیں گے، نقلی دوائیں، نقلی سکے اور زہریلے غذائی مواد ہم فراہم کر رہے ہیں۔ زہریلے مواد کا تجربہ غریب ملکوں میں عوام کو مارنے کے لیے وہاں کے حکام کے ساتھ رشوت سے کر رہے ہیں۔

حاضرین میں ایک سائل- جناب اوباش امریکی صاحب! ان جرائم کو روکنے کے لیے تو سخت قوانین موجود ہیں؟

اوباش امریکی- جناب! قانون اگر ضمیر کو بیدار نہ کرے تو موثر نہیں ہوتا۔ جو لوگ قانون بناتے ہیں ان کی ہی سرپرستی میں ہم ایسا کرتے ہیں اور ان کی اس میں حصے داری برابر کی ہوتی ہے۔ ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور ہیں کھانے کے اور۔ صرف دین اسلام ہی ایسا قانون دیتا ہے جو عمل سے قبل ضمیر کو بیدار کرتا ہے، تو اگر وہ نافذ ہوتا تو ضرور ہم گروہِ شیطان کو زحمت ہوتی اور اسی لیے تمام اقوام کو ساتھ لے کر ہم اس کو روکنے میں لگے ہوئے ہیں۔

مسلمانوں کے خلاف جنگ- یہ ہمارا بہت کامیاب وِنگ ہے، اس میں اگرچہ کئی مورچوں پر ہم کو پیچھے بھی ہٹنا پڑا ہے، مگر اکثر ہمیں کامیابی ہی ملتی ہے۔ ہاں! اولیا اللہ سے فیض حاصل کرنے والوں سے ہم مقابلہ نہیں کر سکتے، اور باقی مسلمان تو وہ صرف سمندر یا سیلاب کی جھاگ ہیں، جب چاہا پھونک دیا۔

مسلمانوں کے خلاف ہم نے چند محاذ کھول رکھے ہیں۔

فکری محاذ- اس محاذ پر ہمارے وہ لوگ ڈٹے ہوئے ہیں جن کے پاس قلم اور علم کی طاقت ہے۔ یہ لوگ ایسی تحریریں تیار کر رہے ہیں جن سے اسلام کی دینی، قانونی، تاریخی، جغرافیائی عظمت ختم ہو سکے۔ ہم نے ان سے ایسی ایسی تحریریں لکھوائی ہیں جن کے ذریعہ اسلامی تاریخ کے درست واقعات اور اسلامی عقیدے میں صاف عقائد کو پیچیدہ کر دیا جائے اور یہ ثابت کیا جائے کہ مسلمانوں کے رسولِ اعظم حقیقی رسول نہیں ہیں اور قرآن کلام الٰہی نہیں ہے۔ ہم نے خصوصی طور پر مسلم ممالک میں عیسائیت کی لغو تعلیمات کو خوب صورت انداز میں گھر گھر پہنچانے کا عزم کیا ہے۔ مسلمانوں پر ضرب لگانے کے لیے ہمارا میڈیا، علمی ادارے، اکیڈمیاں اور مطابع کام کر رہے ہیں۔ ہم نے اس کام کے لیے اپنے پراسرار لوگوں کے ذریعہ مسلمانوں میں بہت سے فرقے پیدا کیے ہیں اور جدید درس گاہوں میں تعلیم و تعلم و انتظام سے جڑے لوگوں کو گمراہی کی خصوصی ڈوز پلائی ہے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ یہ طبقہ اسلامی شعائر کو ایک بیکار شے سمجھنے لگا۔ ان کے یہاں تصوف اور حقیقی معرفت رب کے مجاہدے ایک بیکار شے ہیں۔ اسلامی صورت دورِ وحشت کی یادگار ہے۔ انھوں نے خود کو ایسا اسمارٹ کیا ہوا ہے کہ لاہور کے ہجڑے بھی شرما جائیں اور پھر ایک مسلم ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ خاص کر وہ لوگ جو ہماری یورپین تہذیب اور فکر کی دوہری خوراک پی چکے ہیں اور اسلامی علوم کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان کے ذہن میں ہمارے مستشرقین یعنی اسلامی علوم کے غیر مسلم یورپین ماہرین کا زہر، یہ لوگ اسلام پر خوب وار کرتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا، لندن، علی گڑھ، قاہرہ، ڈھاکہ، واشنگٹن، کریملن اور روس کی یونیورسٹیوں میں کافی سال پہلے سے تعلیم حاصل کرنے والے، کبھی کمیونزم، کبھی جمہوریت اور کبھی لا اخلاقیت اور لذتیت کے فلسفے کی کیسی سچی حمایت کرتے ہیں۔ کیا ہمارا کمال نہیں کہ جو مسلمان، خالد و عمر و عثمان و ابوبکر و حیدر کرار کی سیرت سے سبق حاصل کرتے وہ آج برگساں، اسٹالن، نیوٹن وغیرہ کی تعلیمات و نظریات کو مذہبی کتابوں کی طرح تلاوت کرتے ہیں۔ وہ مسلمان جو ابن رشد اندلسی، غزالی و رازی کی فکر کا مطالعہ کرتے وہ شیکسپیر اور نطشے کی فکر میں سر کھپاتے ہیں۔ مسلمانوں کی فکر کو ہم نے کتاب و سنت سے ایسا ہٹایا کہ اب دوبارہ ان کو اس طرف لانے میں صدیاں لگ جائیں گی۔

اور اب ہم نے ایک اور قافلہ مفسدوں کا تیار کیا ہے جو انسانوں کو، خصوصاً مسلمانوں کو تمام پابندیوں اور مذہبی اعمال سے ننگا کر دے گا۔ ہمارے لیے یہ لوگ یعنی ہمارا پہلا گروپ اور یہ دوسرا گروپ دونوں اب اسلامی یونیورسٹیز، کالجز اور مدارس تک میں سما چکے ہیں۔ اور خصوصاً پہلا گروپ تحقیقی اداروں تک میں ایسی تحریر تیار کر رہا ہے جو اسلام کے خلاف کہیں موثر ہیں اور مسلمان سوائے اہل سنت کے سب ان تحریروں کو ہضم کر رہے ہیں۔ اہل سنت یعنی امام احمد رضا قدس سرہ اور بزرگوں کے طریقہ پر چلنے والے ضرور ان تحریروں کے خلاف تحریک چلائے ہوئے ہیں۔ تو ہمارے اس مفسد طبقے نے علمی اداروں میں جا کر یہ کیا کہ کوئی قرآنی آیات میں اصلاح کی بات کرتا ہے، کوئی رجم کے معنی اندازہ کی سزا بتاتا ہے اور کوئی چور کے ہاتھ کاٹنے سے مراد ذرائع کو بند کرنا مراد لیتا ہے۔ کوئی

قرآن کے ذریعہ ادیان کے نسخ کو درست نہیں مان رہا ہے، کوئی خاتم النبیین کا مطلب لیتا ہے زمانہ میں خاتم و آخر ہیں۔ اور بات صرف یہ نہیں بلکہ ہمارے گروپ کے ان مفسدوں کو مسلمان امام وقت، محقق اور صاحب قلم و اجتہاد قرار دے رہے ہیں۔ ہمارا تقسیم کار وزارت برائے بربادی ادیان سے ہے جیسا کہ آپ رشید صاحب کے بیان میں پڑھ چکے ہیں۔

مسلمانوں کے خلاف دوسرا محاذ- دوسرا محاذ یہ ہے کہ مسلمانوں کو ترقی اور خوش حالی سے بھی روکا جائے کیوں کہ وہ ترقی کر کے شیطانی نظام کے خلاف کھڑے ہو سکتے ہیں۔ کیوں کہ ہم علی الاعلان تو ان کو تعلیم اور ترقی سے روک نہیں سکتے۔ لہٰذا ہم نے بہت غور و خوض کر کے تمام دنیا کے اپنے ایجنٹس کو ساتھ لے کر ایک پلان تیار کیا ہے۔ یہ پلان کچھ ایسے انداز کا ہے جس کو ہم نے ”خلافتِ عثمانیہ“ کو پارہ پارہ کرنے کے لیے بنایا تھا۔ اس میں ہم کو باغیانہ اور مفسدانہ ذہن رکھنے والے مسلمانوں نے تعاون دیا تھا۔ لہٰذا اس موجودہ پلان کے لیے بھی اسی قسم کے لوگوں کا استعمال کیا گیا۔ اور ان کو ہم نے اسلامی تعلیمات میں جنگ و قتال کا حصہ اس طور پر سمجھایا کہ وہ فساد کو جہاد سمجھنے لگے۔ اس کا طریقہ یہ رہا کہ ہم نے اپنے یہاں عربی، فارسی اور مسلمانوں کی دوسری زبانوں کے ماہرین پیدا کیے اور ان کو اسلامی ثقافت کا ناٹک کرنا ایسا سکھایا کہ آدمی کتنا ہی تیز ذہن ہو یہ سمجھ ہی نہیں سکتا ہے کہ یہ لوگ غیر مسلم ایجنٹس ہیں۔ پھر ان لوگوں کو ہم نے مسلمانوں کے اداروں اور عوام میں داخل کر دیا۔ انھوں نے جاہل اور سیدھی اقوام جیسے قبائلی اور افغانی ان کو ”جہاد“ کا مفہوم غلط طور پر سمجھایا اور انفرادی تخریب کو جہاد اور تخریب کرنے والوں کو جہادی کا نام دے دیا۔ حالاں کہ عالمِ اسلام کے علما نے اس کام کے جواز کا فتویٰ کبھی نہیں دیا اور عام مسلمان بھی اس کو اسی لیے جہاد نہیں کہہ رہے ہیں۔ تو ایک گروہ تو ہمارا غیر مقلد ذہن کو جہادی بنا رہا تھا اور ایک گروہ ان جہادیوں سے دنیا کو ڈرا رہا تھا۔ ہم امریکی یہودی اور ہمارے دوسرے ساتھیوں نے جہادی تنظیمیں قائم کیں، ان کو ٹریننگ دی اور اسلحہ فراہم کیا اور خود مسلمان ملکوں میں تخریب کے لیے بھیج دیا۔ تو جہادی تنظیمیں قائم کرنا اور انھیں ڈیل کرنا ہمارا کام ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ کام مسلمان کر رہے ہیں۔ ہمارے ہی ایجنٹ، مسلمانوں کے بھیس میں آ کر حرکۃ الجہاد الاسلامی، جماعت اسلامی، سیمی، انڈین مجاہدین، دکن مجاہدین، لشکر طیبہ، طالبان کا لشکر وغیرہ کو تیار کر رہے ہیں۔ حقیقت میں مسلمانوں کا ان تحریکوں سے تو کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی ان کے علما نے ایسا کوئی فتویٰ دیا ہے، پھر ہم ان جہادیوں کو جب چاہتے ہیں مار ڈالتے ہیں اور گرفتار بھی کروا دیتے ہیں کیوں کہ ہمارے دو گروپ ان کے آس پاس رہتے ہیں، ایک بنانے والا، دوسرا ان کے بارے میں وہاں کی حکومتوں کو معلومات شیئر کرنے والا۔ حکومتوں کو ان سے ڈرا کر ہم بہت سا سامان جو ”اسرائیل“ تیار کرتا ہے اونچی قیمت پر فروخت کر دیتے ہیں، جیسے کیمرے، جاسوسی اور سیکورٹی کے آلات۔ اس طرح سے ہم بیک وقت مسلمانوں کو ختم بھی کر رہے ہیں اور اپنی تجارت کو فروغ بھی دے رہے ہیں۔

اسلامی جہاد کے شرائط ہر جگہ پائے ہی نہیں جاتے اور اسلامی جہاد کا فتویٰ تو صرف علماے حق ہی دے سکتے ہیں۔ اگر یہ اسلامی جہاد ہوتا تو یہ علما باتفاق فتویٰ دیتے۔ مگر ہمارے میڈیا نے یہ بات دنیا کو بتایا ہی نہیں کیوں کہ ہمارا مقصد تو مسلمانوں کے خلاف جنگ چلانا ہے۔

اسی غلط جہاد کی وجہ سے وہ مسلمان بھی ”دہشت گرد“ سمجھ لیے گئے جو اپنے حقوق اور آزادی کے لیے لڑ رہے ہیں، جیسے فلسطینی و چیچن یا جو کہ صلح کے ساتھ اسلامی نظام کے لیے کوشش کر رہے ہیں۔ کیوں کہ دنیا میں ہمارا میڈیا باغیوں اور حقوق کے لیے لڑنے والے مسلمانوں میں فرق نہیں کر رہا ہے۔

اب مسلمان دہشت گردی کے الزام سے ایسا ہراساں کیا جا چکا ہے کہ کوئی بھی حکومت اور ادارہ ان پر کتنا ہی ظلم کرے، ان کو جہاں چاہے قتل کرے، جب چاہے ان کو کاٹ کر ان کے اعضا بیچ دے، کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اس طریقے سے ہم اب صحت مند، قابل اور ترقی کی بات کرنے والے مسلمانوں کو جیسے چاہتے ہیں پکڑ کر دہشت گرد بنا کر یا تو قتل کر دیتے ہیں یا پھر ہمیشہ کے لیے جیل میں ڈال دیتے ہیں اور ہماری خفیہ پولیس، انتظامی پولیس، اس طرح سے انعامات، عہدوں کی ترقی اور حکام کی خوشنودی حاصل کر لیتے ہیں اور یہ سلسلہ کم از کم ۱۵۰ ملکوں میں ہم نے جاری کیا ہوا ہے۔ اور ہم کسی بھی مسلم بستی کو مشکوک آبادی بتا کر اور کسی بھی جماعت اور ادارے کو مشکوک ادارہ بتا کر تباہ کر سکتے ہیں۔ آپ اس کام کے مظاہرے چین، روس، ہندوستان، بنگلہ دیش، پاکستان، برما، تھائی لینڈ، سعودی عرب، برطانیہ اور امریکہ میں روزانہ دیکھ سکتے ہیں۔ اور یہ کام ہمارے کامیاب جاسوسوں نے کیا ہے۔ کامیاب جاسوسوں کی ہماری ایک کامیاب تاریخ رہی ہے۔ بہت کم لوگوں کو سیکڑوں سال کے بعد ان کا حال معلوم ہوا، ہمارے ہمفرے برطانوی...... (باقی ص:۴۵ پر)

سوائن فلو: تحقیق و تنقید

محمد نور اسلام

سوائن فلو: اِسے .A.H.N بھی کہتے ہیں۔اس کا مطلب خنزیری بخار اور جان لیوا بیماری کے ہیں۔سب سے پہلے سوائن فلو کی پرواز ''میکسیکو'' سے شروع ہوئی تھی اور اس وقت کہا گیا تھا کہ سوائن فلو کا وائرس میکسیکو میں نادانستہ چھوڑا گیا تھا، جس کے بعد سے اب تک دنیا بھر میں دو لاکھ تیس ہزار افراد سوائن فلو کا شکار ہوئے ہیں اور ۲۱۰۰ر افراد نے دم توڑ دیا ہے۔

عالمی تنظیم برائے صحت نے اسے عالمی وبا قرار دیا ہے۔اس ادارے کی تحقیق کے مطابق خنزیروں میں انفلوئنزا پر مستقل نگرانی از حد ضروری ہے۔انھوں نے یہ شواہد بھی مہیا کرائے ہیں کہ خنزیروں میں یہ جرثومہ بار بار پیدا ہو سکتا ہے اور انسانوں میں وبائی شکل اختیار کر سکتا ہے۔سائنس داں اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ انسانوں میں انفلوئنزا پر کافی نگرانی رکھنے کے باوجود خنزیروں پر منظم نگرانی کی کمی کی بنا پر خطرناک بیماری پیدا ہوتی رہی جس کا پتہ بہت دیر میں چلا۔تحقیق کرنے والی ٹیم میں آکسفورڈ یونیورسٹی، یونیورسٹی آف اڈنبرا، یونیورسٹی آف ہانگ کانگ اور یونیورسٹی آف پوروزونہ کے سائنس داں شامل تھے۔

سائنس دانوں کے دوسرے گروپ کا بھی یہی کہنا ہے کہ یہ بیماری اکثر براعظموں میں زمانۂ قدیم سے پھیلتی رہی ہے، جس کی خاص وجہ خنزیر تھے۔اب جب اس نے وبائی شکل اختیار کر لی ہے، تب اس کا پتہ چلا۔

کسی مرض کو عالمی وبا اس وقت قرار دیا جاتا ہے جب دنیا کے ۲ر خطوں میں اس مرض کی انسانوں سے انسانوں میں منتقلی وسیع پیمانے پر شروع ہو جاتی ہے۔اگر چہ سوائن فلو کے اکثر مریض صحت یاب ہو رہے ہیں تاہم عالمی ادارۂ صحت کے اعداد و شمار کے مطابق دنیا بھر میں اس وائرس سے ۱۴۱ر سے زیادہ افراد ہلاک ہو چکے ہیں اور سوائن فلو اب تک تقریباً ۷۴ر ممالک میں پھیل چکا ہے۔

علامت: اس مرض کی خاص علامت یہ ہے کہ سوائن فلو کے اثرات سے مریض کو تیز سر درد اور تیز بخار آتا ہے۔اس کے علاوہ سردی، زکام، سستی وغیرہ بھی پائے جاتے ہیں۔

سوائن فلو سے بچنے کی تدبیر: ایک دوا ساز کمپنی 'نوبوکسٹر انٹرنیشنل انک'' نے دعوا کیا ہے کہ اس نے .A.H.N انفلوئنزا وائرس کا ٹیکہ ایجاد کر لیا ہے اور وہ جولائی تک اسے بازار میں پیش کرے گی۔لیکن یہ ٹیکہ سوائن فلو کو ختم کرنے میں کامیاب نہیں ہوا اور مرض مسلسل پھیلتا گیا۔ممبئی اور ناسک وغیرہ میں ۲۹ر افراد نے سوائن فلو کی زد میں آکر دم توڑ دیا۔

مذکورہ سطور میں بالغ النظر سائنس دانوں کی تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس بیماری کی خاص وجہ خنزیر ہے۔ایسے جانور سے بچنا اور ایسے جانور کے استعمال کرنے والوں سے بچنا از حد ضروری ہے۔تمام انسانوں کے خالق و مالک اللہ رب العزت نے پہلے ہی اس نجس العین (خنزیر) کا استعمال انسان کے لیے قطعاً ممنوع قرار دیا،لیکن بہت سے غیر مسلموں نے اس کا استعمال ترک نہ کیا جس کا وبال آج ان کے سر آپڑا ہے۔

بہت سے ڈاکٹروں نے جو انگلی اٹھا کر باتیں کرتے ہیں۔انھوں نے اسلام پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ گائے، بھینس، بکری، مرغی وغیرہ کا استعمال جائز اور خنزیر کے استعمال کو ممنوع کیوں قرار دیا؟ لیکن جب انھوں نے اس پر تحقیق کی تو پتہ چلا کہ خنزیر کے گوشت میں وافر مقدار میں جراثیم پائے جاتے ہیں جس کا استعمال انسان کے لیے سخت مضر ہے۔حتی کہ ایسے لوگ جو ان کے ساتھ رہتے ہیں ان پر بھی مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

چند ماہ قبل ہندوستان کے کچھ علاقوں میں ''برڈ فلو'' پایا گیا جس میں یہ اندیشہ تھا کہ ایسی مرغی کے استعمال سے طبیعت خراب ہو سکتی ہے، جب کہ کچھ دوسرے ڈاکٹروں کا فیصلہ یہ بھی تھا کہ آگ میں پکانے کے بعد ایسی مرغی کے مضر اثرات ختم ہو جاتے ہیں۔اور ہوا بھی یہی کہ ''برڈ فلو'' نے نہ تو وبائی شکل اختیار کی اور نہ ہی کسی کو موت کے گھاٹ اتارا۔لیکن اس کے باوجود ان علاقوں میں دور دور تک مرغیاں مار کر ختم کر دی گئیں۔اور آج جب سوائن فلو نے لاکھوں افراد کو مار ڈالا اور مرنے والوں کی تعداد میں دن بہ دن اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے، اس کے باوجود خنزیروں کو مارنے کا آرڈر کیوں نہیں دیا جا رہا ہے؟ وزیر صحت اس طرف توجہ کیوں نہیں دے رہے ہیں؟ اگر اب بھی اس کی طرف توجہ نہیں دی گئی اور خنزیروں کا بائیکاٹ نہ کیا گیا تو وہ دن دور نہیں کہ انسانوں کا ہی دنیا سے بائیکاٹ ہو جائے.....

بیر بھوم، بنگال

علم کیمیا کی ترقی میں مسلمانوں کا حصہ

محمد ضیاء الدین برکاتی

مسلمانوں کے متعلق صرف یہی معلوم ہے کہ یہ ایک جاں باز اور بہادر قوم ہے جس نے نصف صدی کے اندر دنیا ے معلوم کا بیشتر حصہ فتح کر لیا تھا، لیکن مسلمانوں کی فتوحات سے کہیں زیادہ مسلمانوں کی وہ عظیم الشان علمی اور فنی کارنامے قابل فخر ہیں جو موجودہ سائنس اور تہذیب کی اصل بنیاد ہیں۔یہ امر واقعہ ہے کہ اگر مسلمانوں نے آج سے ایک ہزار سال قبل مختلف علوم و فنون کی ترقی میں حصہ نہ لیا ہوتا تو شاید اس دنیا کو ترقی کے مدارج طے کرنے میں ابھی کئی صدیاں درکار ہوتیں۔

آج یورپ کو اپنی سائنسی اور فنی ترقیوں پر بڑا ناز ہے۔لیکن اس کے ساتھ یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یورپ نے اس میدان میں عربوں سے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔چناں چہ پروفیسر فلپ کے ہٹی کا بیان ہے کہ ''مخزن الادویہ اور ریاضیات کے بعد عربوں نے علم کیمیا پر سب سے زیادہ عظیم الشان سائنٹفک تحقیقات کی تھیں۔''

''یہ عرب ہی تھے جنھوں نے کیمیا اور دوسرے طبی علوم کے مطالعہ اور تحقیق کے بعد اصول قائم کیے اور یونانیوں کے موہوم قیاسات کی بڑی حد تک اصلاح کی۔'' (عرب اور اسلام، ص:۱۴۱)

اسی طرح ڈاکٹر لیبان کی رائے ہے کہ:

''عملی علوم میں جن کا دار و مدار تجربہ پر ہے، نئی نئی ایجادوں کا سہرا مسلمانوں کے سر ہے۔''

(معرکۂ مذہب و سائنس، ص:۱۶۹)

اور ڈاکٹر جوزف ہیل کے بیان کے مطابق:

''علم کیمیا میں عربوں کا یہ نمایاں کارنامہ ہے کہ ان کی بدولت کیمیاوی مصنوعات کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔'' (عربوں کا تمدن، ص:۱۳۱)

عیسائی مورخ جرجی زیدان لکھتا ہے:

''دوا سازی میں عربوں کی ترقی ان کے فن کیمسٹری اور نباتات کی تحقیقات کے ماتحت تھی اور اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ نئی کیمسٹری کے اصول کی بنیاد پہلے پہل مسلمان عربوں ہی نے اپنی معلومات اور تجربوں پر رکھی تھی۔چناں چہ سب سے پہلے جس شخص نے کیمسٹری کے فن کو عربی زبان میں منتقل کیا وہ خالد بن یزید تھا۔جس نے اس فن کو اسکندریہ کی طبی درس گاہ سے اخذ کیا۔اس سے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے کیمسٹری فن حاصل کیا۔پھر جابر بن حیان ، بعد ازاں کندی، ابو بکر رازی اور دوسرے لوگوں نے فن کیمسٹری کی معلومات حاصل کیں اور اس کے بعد بڑی کثرت سے کیمیاوی مرکبات تیار کی گئیں جن پر جدید کیمسٹری کی بنیاد رکھی گئی۔'' (تاریخ اللغۃ العربیہ)

پروفیسر کے ہٹی کا بیان ہے کہ:

''جابر بن حبان کو جسے یورپ والے جیبر (Gaber) کہتے ہیں عربی الکیمیا کا موجد سمجھا جاتا ہے اور جن تصنیفات کو اس کے نام سے نسبت دی جاتی ہے وہ چودھویں صدی عیسوی کے بعد کے زمانہ میں یورپ اور ایشیا دونوں جگہ کیمیاوی معلومات کے سرچشمہ کا درجہ رکھتی ہیں۔'' (عرب اور اسلام، ص:۱۴۱)

جابر بن حبان دنیا کا بہت بڑا کیمیا ساز ہے جس نے دواؤں کی تلاش میں دور دراز ممالک کا سفر کیا اور فن کیمیا کی تحقیقات کے لیے اصول مرتب کیے اور اس فن پر بہت سی کتابیں لکھیں، چناں چہ اس لائق محقق کی بہت سی کتابیں لاطینی اور انگریزی زبانوں میں ترجمہ کی گئی ہیں اور ان کتابوں سے یورپ نے بہت کچھ سیکھا ہے۔

جامع مسجد راجہ مبارک شاہ، پرانی بستی، مبارک پور

زکریا رازی (متوفی 383ھ) علم کیمیا کا بہت بڑا ماہر تھا۔ یہی وہ پہلا کیمیا داں ہے جس نے کیمیاوی مادہ کے تجزیہ کی کوشش کی۔ بقول فلپ کے ہٹی، اس نے فن کیمیا پر نہایت ہی عظیم الشان کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں سے ایک مشہور کتاب ''کتاب الاسرار'' ہے جس سے چودہویں صدی عیسوی تک ساری دنیا استفادہ کرتی رہی ہے۔

نامور فرانسیسی مورخ موسیو سیدیو لکھتا ہے کہ:

''عربوں نے میدانِ تمدن میں قدم رکھتے ہی علم کیمیا کے فن کو بھی اپنے ہاتھ میں لے لیا اور ایسے اصول دریافت کیے جن کے ذریعہ اشیا کی تحلیل اور ترکیب کی جا سکے۔ اس قسم کی بہت سی کیمیاوی باتوں کا پتہ ابوموسیٰ جعفر کوفی کی تالیفات سے چلا جو آٹھویں صدی عیسوی میں مشہور عالم ہوا ہے۔'' (تاریخ عرب، ص:۴۱۹)

مورخ گبن لکھتا ہے کہ:

''علم کیمیا اپنے ارتقا اور اصلیت کے لیے اہل عرب کی سعی و کوشش کا رہین منت ہے۔ انھوں نے ہی سب سے پہلے تقطیر کے آلات ایجاد کیے اور مادوں کا تجربہ کیا۔ الکحل اور تیزاب کے تناسب اور امتیاز کو معلوم کیا اور معدنیات سمیہ کو نہایت مفید ادویات میں تبدیل کر دیا۔ (رومن امپائر، ج:۵، ص:۱۳۵)

جرمن سیاح الیکزنڈر ہمبولڈ کہتا ہے کہ:

''جدید علم کیمیا بلاشبہ مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ اس شعبے میں انھوں نے جو کمال حاصل کیا وہ قابلِ رشک ہے۔ سب سے پہلے مسلمانوں ہی نے عرق کشی کو بخارات میں تبدیل کرنے کا طریقہ دریافت کیا اور اس فن میں وہ ایجادیں کیں جن سے آج یورپ فائدہ حاصل کر رہا ہے۔''

سائنٹفک تحقیقات میں تیزابوں کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ڈاکٹر ڈریر لکھتا ہے کہ:

''یہ عرب کے مسلمان ہی تھے جنھوں نے تیزاب ایجاد کیے اور سائنٹفک نقطۂ نظر سے ان کو استعمال کیا اور علم کیمیا کی صحیح بنیاد ڈالی۔''

ای. پی. اسکاٹ لکھتا ہے کہ:

''عملی طور پر زمانۂ حال کے کیمیا اور دوا سازی کے اصل موجد مسلمان ہیں۔ ان ہی کے طفیل میں دنیا کو الکحل، تیزاب، نوشادر، پوٹاش، بائیکلورائڈ آف مرکری، چاندی کا پانی اور فاسفورس کا علم ہوا۔ نیز یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مسلمان ہائیڈروجن کے وجود اور خواص سے بھی باخبر تھے، اس کے علاوہ گیسوں کے پیدا کرنے کی ترکیبوں اور نسخوں کو سب سے پہلے جابر نے دریافت کیا۔'' (اخبار الاندلس، ج:۳، ص:۵۳۸)

پروفیسر ایڈورڈ جی. براؤن لکھتا ہے کہ:

''برتھی لوٹ نے اپنی تصنیف تاریخ الکیمیا میں لکھا ہے کہ اگرچہ یہ امر مدت سے تسلیم شدہ ہے کہ زمانۂ قدیم سے ماہرین علم کیمیا کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ وہ اس علم کے ذریعہ سنگ پارس اور اکسیر تیار کریں، لیکن اس کے باوجود عربوں نے علم کیمیا میں کثیر التعداد اور بیش قیمت اضافے کیے اور اس فن کو بنی نوع انسان کے لیے مفید بتایا۔ چناں چہ عربوں کے ایجاد کردہ طریقے اور اصطلاحات آج بھی زمانۂ قدیم کی طرح رائج ہیں۔ (طب العرب، ص:۲۶)

عربوں کو فن کیمیا اور دیگر ایجادات میں اس لیے اور بھی کامیابی ہوئی کیوں کہ عرب امرا، دل کھول کر ماہرین فن کی سرپرستی کرتے تھے، نئی نئی ایجادات کے لیے ان کو گراں قدر وظائف دیے جاتے تھے۔ علوم وفنون کی ترقی میں اس سے بھی فائدہ ہوا کہ قرطبہ اور بغداد کے حکمرانوں کے درمیان علمی اور فنی میدان میں ایک مقابلہ کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی اور یہ دونوں حکومتیں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش میں برابر لگی رہتی تھیں۔

مندرجہ بالا تاریخی حقائق سے یہ بات صاف طور پر عیاں ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں نے صرف فتوحات کے میدان ہی میں نہیں بلکہ علوم وفنون کی ترقی میں بھی کس قدر نمایاں حصہ لیا ہے۔ چناں چہ یورپ کے صاف دل مورخ اب اس بات کو تسلیم کرنے لگے ہیں کہ آج یورپ سائنس کے فن میں جو سرگرمیاں دکھا رہا ہے اس کے اصل محرک مسلمان ہی ہیں۔

☆☆☆☆☆

حق آگاہی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر یا تارخ

محمد اسلم رضا قادری

یہ بات مسلم ہے کہ عبد مومن، کافر و مشرک سے ہزار درجہ افضل و برتر ہے۔ ارشادِ خداوند قدوس ہے:

"وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ." (البقرة:۲/۲۲۱)

اور بے شک مسلمان غلام مشرک سے اچھا ہے۔ (کنزالایمان)

جب عام آدمی کافر و مشرک سے بہتر ہے، اسے یہ عزت و عظمت ایمان کی وجہ سے ملی تو حضرات انبیا علیہم السلام کے آبا و اجداد کرام تو بدرجۂ اولیٰ مومن و موحد ہوں گے۔ اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے مومن و موحد ہونے پر تو دلائل قاہرہ اور براہین قاطعہ موجود ہیں۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"لم يزل الله عز و جل ينقلني من اصلاب طيبة الى ارحام طاهرة صافيا مهذباً لا تنشعب شعبتان الا كنت فى خيرهما." (ابو بكر احمد بن الحسين، للبيهقى: دلائل النبوة:۱/۱۱، مطبوعه بيروت)

اللہ تعالیٰ مجھے ہمیشہ پاک ستھری پشتوں میں منتقل فرماتا رہا۔ صاف ستھرا آراستہ، جب دو شاخیں پیدا ہوئیں تو میں ان میں بہتر شاخ میں تھا۔

ایک حدیث پاک میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"بعثت من خير قرون بنى آدم قرنا فقرنا حتى كنت فى القرن الذى كنت منه." (محمد بن اسماعيل البخارى، صحيح للبخارى:۱/۵۰۳)

امیر المومنین حضرت مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی حدیث صحیح میں ہے:

"لم يزل على وجه الدهر (الارض) سبعة مسلمين فصاعداً فلولا ذلك هلكت الارض و من عليها." (شرح الزرقانى على المواهب:۱/۲۰۴، مطبوعه مصر)

روے زمین پر ہر زمانے میں کم سے کم سات مسلمان ضرور رہے ہیں۔ ایسا نہ ہوتا تو زمین و اہلِ زمین سب ہلاک ہو جاتے۔

حدیث شریف میں ہے: "لم ازل انقل من اصلاب الطاهرين الى ارحام الطاهرات." (شرح الزرقانى على المواهب:۱/۲۰۴، مطبوعه مصر)

میں ہمیشہ پاک مردوں کی پشتوں سے پاک بیبیوں کے شکموں میں منتقل ہوتا رہا۔

ان مستند احادیث کریمہ کے نقل کرنے کے بعد مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری محدث بریلوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

''جب صحیح حدیثوں سے ثابت کہ ہر قرن و طبقے میں روے زمین پر لا اقل سات مسلمان بندگانِ مقبول ضرور رہے ہیں اور خود صحیح بخاری شریف کی حدیث سے ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن سے پیدا ہوئے وہ لوگ ہر زمانہ میں ہر قرن میں خیار قرن اور آیتِ کریمہ ناطق کہ کوئی کافر اگرچہ کیسا ہی شریف القوم یا شریف النسب ہو کسی غلام مسلمان سے بھی خیر و بہتر نہیں ہو سکتا۔ تو واجب ہوا کہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آبا و امہات ہر قرن و طبقہ میں انھیں بندگانِ صالح و مقبول سے ہوں۔ ورنہ معاذ اللہ! صحیح بخاری میں ارشاد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، قرآن عظیم میں ارشاد حق جل وعلا کے مخالف ہوگا۔'' اھ

(شمول الاسلام، ص:۵۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی)

حضرت ابراہیم کے والد کا نام کیا ہے؟

حضرت امام عبدالرحمن بن محمد ادریس رازی ابن ابی حاتم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

''ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام ''آزر'' نہیں تھا، ان کے والد کا نام ''تارخ'' تھا۔''

(تفسیر امام ابن ابی حاتم:۴/۱۳۲۵، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ)

امام ابن ابی شیبہ، امام عبد بن حمید، امام ابن جریر، امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کیا ہے۔ انھوں نے کہا:

"آزر حضرت ابراہیم کے والد کا نام نہیں ہے بلکہ یہ بت کا نام ہے۔" (درمنثور: ۳/۳۰۰۔ مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

خاتم الحفاظ حضرت امام جلال الدین سیوطی "آزر" کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اب یعنی باپ کہنے کی توجیہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"امام ابن المنذر نے سند صحیح کے ساتھ ابن جریج سے آیت کریمہ: "و اذ قال ابراهیم لابیه آزر" کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم کا باپ نہیں ہے۔ وہ ابراہیم بن تارخ بن ناحور بن شارخ بن عابر بن فالع ہیں۔ قرآن مجید میں "آزر" کے اوپر حضرت ابراہیم کے اَب (یعنی باپ ہونے) کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اس کی توجیہ یہ کی گئی کہ عرب میں "اب" کا اطلاق "عم" پر بکثرت کیا جاتا ہے، اگرچہ یہ مجاز ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

"اَمۡ كُنۡتُمۡ شُهَدَآءَ اِذۡ حَضَرَ یَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ اِذۡ قَالَ لِبَنِیۡهِ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِیۡ قَالُوۡا نَعۡبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبۡرٰهٖمَ وَ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِسۡحٰقَ." (البقرہ: ۲/۱۳۳)

بلکہ تم میں کے خود موجود تھے جب یعقوب کی موت آئی جب کہ اس نے اپنے بیٹوں سے فرمایا: میرے بعد کس کی پوجا کروگے، بولے ہم پوجیں گے اسے جو خدا ہے آپ کا اور آپ کے آبا ابراہیم و اسماعیل و اسحاق کا۔ (کنز الایمان)

اس آیت میں حضرت اسماعیل پر باپ کا اطلاق کیا گیا ہے حالاں کہ وہ حضرت یعقوب کے باپ نہیں بلکہ چچا ہیں اور امام ابو العالیہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ ماموں والد ہے اور چچا والد ہے اور اس آیت کی تلاوت ہے۔"

(الحاوی للفتاوی: ۲/۲۱۴، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، لائل پور، پاکستان)

حضرت حافظ عماد الدین ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ: "جمہور اہل سنت بہ شمول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سب اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت ابراہیم کے باپ کا نام تارخ ہے اور اہل کتاب "تارح" کہتے ہیں۔" (البدایہ والنہایہ: ۱/۱۴۲، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

محقق علی الاطلاق شیخ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

"علما رحمہم اللہ اس بات کے قائل ہیں کہ رسول اللہ کے تمام آبائے کرام شرک اور کفر کی آلودگی سے پاک اور منزہ ہیں۔ ان کے نزدیک "آزر" حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا ہیں۔ ان کو مجازاً باپ کہا گیا ہے۔ اور ان کے باپ کا نام "تارخ" ہے۔ اسی وجہ سے مطلقاً نہیں فرمایا کہ حضرت ابراہیم کی اپنے باپ سے ملاقات ہوگی، تا کہ ان کے حقیقی والد کی طرف ذہن متوجہ نہ ہو اور ان کے والد کے ساتھ "آزر" کا ذکر کیا تا کہ معلوم ہو کہ یہاں مجازی باپ مراد ہے۔" (اشعۃ اللمعات: ۴/۳۶۸، مطبوعہ لکھنؤ)

خاتم الحفاظ حضرت امام جلال الدین سیوطی، امام ابن المنذر کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ: "جب کافروں نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنا چاہا تو لکڑیاں جمع کرنے لگے، یہاں تک کہ بوڑھی عورت بھی لکڑی اکٹھی کرتی تو جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنا چاہا، آپ نے: "حسبنا الله و نعم الوکیل." فرمایا۔ یعنی مجھے اللہ کافی ہے اور وہ بہتر کارساز ہے۔ پھر جب آپ کو آگ میں ڈال دیا تو اللہ نے حکم دیا کہ "اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی ہو جا۔" تو آپ کا چچا بولا کہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے میری وجہ سے بچالیا تو اللہ تعالیٰ نے آگ کا ایک شرارہ بھیجا جو اس کے پیر پر پڑا اور اسے جلا ڈالا۔ تو اس اثر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا کی صراحت آئی ہے اور اس میں ایک دوسرا فائدہ ہے کہ آپ کا چچا اس وقت ہلاک ہوا جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا تھا۔ اور قرآن عظیم نے بتایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے لیے دعائے مغفرت ترک فرمادی تھی، جب انھیں اس کا دشمنِ خدا ہونا محقق ہوا۔ اور روایتوں میں آیا ہے کہ اس کا یہ حال ان پر اس وقت کھلا جب وہ مشرک مرا اور انھوں نے اس کے بعد دعائے مغفرت نہ کی۔ اور اپنے چچا کے مرنے کے طویل عرصہ بعد انھوں نے اپنے والدین کے لیے دعائے مغفرت کی۔"

(مسالک الحنفاء فی والدی المصطفیٰ، ص: ۳۴-۳۵، مطبوعہ پوربندر، گجرات)

تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری بریلوی مدظلہ النورانی، حضرت امام جلال الدین سیوطی کا قول حق نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "تو یہاں سے ظاہر ہوا کہ قرآن میں جس کے کفر اور اس کے لیے دعائے مغفرت سے متبری کا ذکر آیا ہے وہ ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا۔ ان کے پدرِ حقیقی نہ

تھے۔ رہی "مفردات" کی عبارت تو وہ "قیل" سے شروع ہے اور "قیل" سے قولِ ضعیف کی تعبیر کرتے ہیں۔ اور کبھی مجرد قول کی حکایت مقصود ہوتی ہے، مگر غالباً ضعف کی طرف اشارہ کرنے کے لیے مستعمل ہوتا ہے تو باعتبار غالب، امام راغب اصفہانی کے نزدیک بھی یہ قولِ ضعیف معلوم ہوتا ہے اور علی الاقل احتمال ہے اور محتمل کو مستند بنانا صحیح نہیں۔

(استقامت کان پور، تحفظ عقائد نمبر، ص: ۳۷۲)

قارئین کرام! فقہا و محدثین کی نگارشات اور تحقیقات سے یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ سرکارِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نسب میں کوئی شخص کافر و مشرک نہ تھا بلکہ تمام کے تمام موحد مومن تھے اور "آزر" حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا چچا تھا، والد نہیں۔

مفسرِ قرآن حضرت علامہ پیر کرم شاہ ازہری آیت کریمہ:

"وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِیۡمُ لِاَبِیۡهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصۡنَامًا اٰلِهَةً اِنِّیۡۤ اَرٰىكَ وَ قَوۡمَكَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ." (الانعام: ۶/۷۴)

اور یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا: کیا تم بتوں کو خدا بناتے ہو، بے شک میں تمھیں اور تمھاری قوم کو کھلی گم راہی میں پاتا ہوں۔ (کنز الایمان)

کی تفسیر میں علامہ محمود آلوسی بغدادی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر تھا یا چچا کا؟ حضرت خلیل کے والد مسلمان تھے یا کافر؟ اس مقام پر علامہ آلوسی بغدادی نے اپنی تفسیر روح المعانی میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں اور اس نزاع کا فیصلہ انھیں پر چھوڑتا ہوں۔ علامہ مذکور رقم طراز ہیں: "علمائے اہل سنت سے ایک جم غفیر کی رائے یہ ہے کہ "آزر" حضرت ابراہیم کے والد نہ تھے، کیوں کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے آبا و اجداد میں کوئی بھی کافر نہ تھا۔ حضور کا ارشاد ہے: لم ازل انقل من اصلاب الطاهرین الی ارحام الطاهرات والمشرکون نجس. میں ابتدا سے آخر تک پاک لوگوں کی پشتوں سے پاک خواتین کے رحموں میں منتقل ہوتا چلا آیا ہوں اور مشرک نجس ہیں۔ علمائے اہلِ سنت کی اکثریت کا یہ قول ہے کہ "آزر" حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام ہے اور "اب" کا لفظ چچا کے معنی میں عام استعمال ہوتا ہے۔ اپنے اس مسلک کی تائید میں علامہ مذکور نے کئی آثار نقل کیے ہیں، لیکن یہاں صرف ایک چیز پیش کی جاتی ہے۔

(۱)- یہ واضح امر ہے کہ جس کی موت کفر و شرک پر ہو اس کے لیے مغفرت نہیں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کی وفات کے سالہا سال بعد جب بابل سے ہجرت کر کے مصر گئے، وہاں سے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر کے شام آئے اور مدت دراز کے بعد اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور حکم ربانی سے آپ ننھے اسماعیل اور ان کی والدہ ہاجرہ کو اس لق و دق صحرا میں چھوڑ آئے جہاں کعبہ کی تعمیر ہونی تھی۔ اس واقعہ کے برسوں بعد جب اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے اور کعبہ کی تعمیر مکمل ہوگئی تو اس وقت یہ دعا آپ نے مانگی۔ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں: "رَبَّنَا اغۡفِرۡ لِیۡ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡحِسَابُ." اے رب مجھے بھی بخش دے اور میرے والدین اور مسلمانوں کو بھی بخش دے۔

اگر حضرت کے والدین کافر ہوتے تو ایک پیغمبر یہ جانتے ہوئے کہ کافر کی بخشش نہیں ہو سکتی، کبھی ان کی مغفرت کے لیے دعا نہ کرتے۔"

(روح المعانی بحوالہ ضیاء القرآن: ۱/۵۷۲، مطبوعہ اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، دہلی)

اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ لکھتے ہیں: "قاموس میں ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام ہے۔ امام علامہ جلال الدین سیوطی نے "مسالک الحنفا" میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ چچا کو باپ کہنا تمام ممالک میں معمول ہے، بالخصوص عرب میں۔ قرآن کریم میں ہے: نَعۡبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبۡرٰهٖمَ وَ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِسۡحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا. "اس میں حضرت اسماعیل کو حضرت یعقوب کے آبا میں ذکر کیا گیا۔ باوجودے کہ آپ عم (چچا) ہیں۔

حدیث شریف میں بھی حضرت سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو "اب" فرمایا چناں چہ ارشاد فرمایا: "ردوا علی ابی." یہاں "ابی" (میرے والد) سے مراد حضرت عباس ہیں۔" (تفسیر خزائن العرفان، ص: ۱۹۸)

حضور اقدس کے تمام آبا مومن تھے

متاخرین میں سے علامہ نیشاپوری، امام جلال الدین سیوطی اور علامہ محمد احمد آلوسی قدس سرہم کی تحقیق یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم

السلام کے آبا و اجداد مومن و موحد تھے اور ہمارے نبی سیدنا محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سلسلۂ نسب میں تمام آبا اور امہات مومن تھے، جیسا کہ حضرت امام جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

"و قد قال ابن عباس فی تاویل قول الله تعالىٰ: وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ. "ای تقلبك من اصلاب طاهرة من اب بعد اب الیٰ ان جعلك نبیا فكان نور النبوة ظاهرا فی آبائه ثم لم یشركه فی ولادته من ابویه اخ ولا اخت لانهما صفوتهما الیه، و قصور نسبهما علیه لیكون مختصاً بنسب جعله الله للنبوة غایة ولتفرده نهایة. "اھ (مسالك الحنفاء، ص: ٤٨)

اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس آیت کی تاویل میں فرماتے ہیں۔ یعنی آپ کا دورہ فرمانا پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف نسلاً بعد نسلٍ یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو نبی بنایا۔ پس نبوت کا نور آپ کے آبا و اجداد میں ہویدا تھا اور آپ کی ولادت میں آپ کے والدین کی جانب سے آپ کا کوئی بھائی اور بہن شریک و سہیم نہیں، کیوں کہ ان دونوں کی اصلیت اور عمدگی رسولِ رحمت کی طرف لوٹنے والی ہے اور ان دونوں کے نسب کی شرافت کی اصل رسولِ رحمت ہی پر منحصر ہے تاکہ ہو جائے وہ رسول اللہ خاص ایک ایسے نسب کے ساتھ کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے بنایا نبوت کے لیے نتیجہ اور اس کے منفرد اور بے مثال ہونے کی وجہ سے نہایۂ۔

مزید حضرت امام جلال الدین سیوطی رقم طراز ہیں:

"ان الاحادیث الصحیحة دلت علی ان كل اصل من اصول النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من آدم الیٰ ابیه عبد الله فهو خیر اهل قرنه و افضلهم و لا احدٌ فی قرنه ذٰلك خیر منه ولا افضل. "(مسالك الحنفاء، ص: ٢٤-٢٥)

بے شک احادیث صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک نسب میں حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عبد اللہ تک تمام کے تمام اپنے زمانہ میں بہتر اور افضل تھے۔ ان کے عہد میں کوئی ان حضرات سے افضل اور بہتر نہ تھا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

جب اتنی بات متحقق ہو گئی کہ سرکار کے نسب و سلسلہ میں ہر دور میں بہتر اور مومن ہی رہے ہیں تو حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے والد ماجد مشرک کیسے ہو سکتے ہیں اور وہ کیسے شرکیہ عقائد سے اپنے دامن کو آلودہ کر سکتے ہیں؟ ہاں! اتنی بات ضرور ہے کہ "آزر" جو آپ کا چچا تھا وہ ضرور کافر و مشرک مرا اور حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے جو دعائے مغفرت و استغفار کیا ہے وہ اپنے والد "تارخ" کے بارے میں ہے، آزر کے متعلق ہرگز نہیں ہے۔ یہ لوگوں کی ایک غلط فہمی ہے جس کا ازالہ ضروری ہے۔ اسی غلط فہمی کے شکار محقق عصر حضرت علامہ شاہ سید حسین گردیزی مدظلہ کراچی (پاکستان) بھی ہو گئے اور اپنی تحقیقی و علمی کتاب "لفظ ذنب کی تحقیق" (جو اپنے موضوع و تحقیقی مواد میں بے نظیر ہے جسے دیکھ کر، پڑھ کر ہمارے اسلاف اور محققین علمائے اہل سنت کی یاد تازہ ہو جاتی ہے) اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ موصوف مدظلہ کا یہ عظیم کارنامہ ہے جس کے اسلوبِ تحقیق، حقائق و شواہد اور دلائل و براہین کے سامنے ذہنی مولوی صاحبان عاجز و مجبور نظر آ رہے ہیں۔ اپنی اسی کتاب میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

"حضرت ابراہیم علیہ السلام کے "اب" شرک کرنے والے تھے۔ ان کے گناہ کا بوجھ بہت بھاری تھا کیوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے واضح طور پر کہہ رہے ہیں: کہ میں آپ اور آپ کی قوم کو کھلی ہوئی گم راہی میں پاتا ہوں۔" (الانعام ٦/٧٤) اس آیتِ کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی قوم کی سربراہی بھی کر رہے تھے اس لیے انھیں اول اور الگ سے بلکہ اصالۃً خطاب کیا اور پھر تبعاً قوم سے خطاب کیا۔ گویا کہ وہ اپنے شرکیہ عقائد کے گناہوں کے بوجھ کے ساتھ اپنی قوم کے بھی ایسے گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں۔" (لفظ ذنب کی تحقیق، ص: ٨٥-٨٦، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

موصوف کی اسی غلط فہمی کے ازالہ کے لیے اس مضمون کا انتخاب کیا گیا تاکہ یہ بات خوب ظاہر و باہر ہو جائے کہ یہاں "اب" سے مراد سیدنا خلیل اللہ علیہ السلام کا چچا "آزر" ہے۔ آپ کے والد "تارخ" مراد نہیں ہیں۔ ورنہ تو نسبِ رسول میں ایک کافر و مشرک کی شرکت قرار پائے گی اور یہ بات بہت بعید ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شجرۂ نسب میں کوئی کافر بھی شامل ہو۔ پھر تو اس حدیث رسول کہ "میں پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتا رہا" کا مفہوم ہی ختم ہو جائے گا۔ اور اس طرح نسبِ رسول پر ایک بڑا داغ لگ جائے گا۔ اس لیے ضروری اور مناسب سمجھا کہ اس غلط فہمی کا ازالہ کیا جائے اور دلائل و براہین کی

روشنی میں ثابت کیا جائے کہ سرکار کا نسب نامہ...... از حضرت آدم تا حضرت عبد اللہ...... گناہوں سے پاک و صاف رہا۔ کفر و شرک کی نجاستوں سے بالکل صاف و شفاف رہا، از اول تا آخر کوئی بھی کافر و مشرک شامل نہیں۔ یہی اجلہ علما و محدثین اور اکابر مفسرین و شارحین کا قول ہے۔ اور اسی پر عمل اصح و افضل ہے۔

شیر بیشۂ اہل سنت حضرت علامہ مفتی شاہ محمد حشمت علی خاں رضوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

"احادیث صحیحہ و کتب معتبرہ سے ثابت ہے کہ سیدنا عبد اللہ و سیدتنا حوا ام البشر تک جن مقدس مردوں اور جن مبارک عورتوں کے ارحام طاہرہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور اقدس منتقل ہوتا رہا وہ سب کے سب بفضلہ تعالیٰ مومن، موحد، ناجی، جنتی گزرے ہیں۔ ان میں کوئی بھی مشرک و کافر نہ تھا۔"

(استقامت کان پور، تحفظ عقائد نمبر، ص: ٣٦٦)

ایک اعتراض کا جواب

"آزر" کو سیدنا خلیل اللہ کا باپ کہنے والے اس حدیث کو بھی دلیل بناتے ہیں جو صحیح بخاری میں موجود و مرقوم ہے۔ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ: ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آزر سے قیامت کے دن ملاقات کریں گے اور آزر کے چہرے پر سیاہی اور غبار ہوگا۔ ابراہیم علیہ السلام اس سے فرمائیں گے کیا میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ میری نافرمانی مت کر۔ تو آزر کہے گا آج تیری نافرمانی نہیں کروں گا۔ ابراہیم علیہ السلام عرض کریں گے: اے رب تو نے وعدہ کیا تھا کہ مجھے بعثت کے دن رسوا نہیں کرے گا۔ اللہ کی رحمت سے بہت زیادہ دور رہنے والے باپ کے معاملے سے زیادہ اور کون رسوائی ہوگی؟ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے جنت کافروں پر حرام فرمایا ہے۔ پھر کہا جائے گا اے ابراہیم! اپنے پاؤں کے نیچے دیکھو کیا ہے۔ وہ دیکھیں گے، وہ بہت بالوں والا بجو ہے جو لتھڑا ہوا ہے۔ پھر اس کے پاؤں کو جکڑ کر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔"

اس حدیث شریف کی نفیس توضیح و تشریح کرتے ہوئے اور اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے ماضی قریب کے عظیم محقق، شارحِ بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی قدس سرہ لکھتے ہیں۔

"صحیح یہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا، چچا تھا۔ چچا کو باپ کہنا دنیا کے عرف میں شائع ہے۔ خود قرآن کریم میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اولادِ یعقوب علیہ السلام کا باپ کہا گیا ہے۔ اولادِ یعقوب نے عرض کیا:

"نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ."

(البقرہ: ٢/١٣٣)

انھوں نے عرض کیا: ہم اس کی پرستش کریں گے جو آپ کا اور آپ کے آبا ابراہیم و اسماعیل اور اسحاق کا خدا ہے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ جاننے کے بعد کہ وہ اللہ کا دشمن ہے، اس سے براءت ظاہر کر لی تب قیامت کے دن اس کے بارے میں عرض و معروض کیوں فرمائی؟ اس کا دو جواب علامہ ابن حجر عسقلانی نے دیا ہے:

(۱)- ایک یہ کہ تبری قیامت کے دن واقع ہوگی جیسا کہ اس حدیث میں ہے اور آیت کریمہ میں اسی کو ذکر فرمایا۔

(۲)- دوسرا جواب یہ ہے کہ آیت کریمہ میں جو براءت مذکور ہے وہ دنیا ہی میں ہو چکی ہے۔ مگر قیامت کے دن اس سے ملاقات ہوگی تو شفقت کی وجہ سے اس پر ترس کھائیں گے، پھر اخیر میں بیزار ہو جائیں گے۔" (نزہۃ القاری، ٦/٥٠٤-٥٠٥)

اب اخیر میں تاج الشریعہ حضرت علامہ شاہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری بریلوی مدظلہ النورانی کا قولِ حق نقل کرتا ہوں۔ موصوف لکھتے ہیں: "حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آبائے کرام سب کے سب موحد تھے، ان میں کوئی کافر نہ تھا۔ دیگر انبیائے کرام کے والدین کریمین بھی ماشاء اللہ مومن تھے اور نجاستِ کفر سے پاک تھے۔ کچھ دریدہ دہن گستاخ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کو "آزر" بتا کر کفر کی بنیاد بناتے ہیں۔ حالاں کہ یہ بات تمام کتب معتبرہ سے ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر نہ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام "تارخ" تھا۔ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا۔ "مسالک الحنفاء فی والدی المصطفیٰ" میں متعدد مقامات پر اس کی توضیح موجود ہے۔" (تحفظ عقائد نمبر، ص: ٣٧٠، استقامت کان پور، ١٩٩٦ء)

خداوند قدوس ہمیں حق کو قبول کرنے کی توفیقِ رفیق عطا فرمائے اور اسلاف کے نقشِ قدم پر چلائے۔ (آمین)

☆☆☆☆☆

حافظ ملت اور اصلاحِ اُمّت

محمد شاہد علی رضوی فیضانی

تخلیق آدم سے لے کرتا ہنوز اس سطح زمین پر لاتعداد افراد پیدا ہوئے اور اپنی حیات مستعار کے مقررہ لمحات گزار کر داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے اس جہانِ فانی کو داغِ مفارقت دے گئے، مگر ان میں بہت کم ایسے انسان تھے جن کی زندگی کا ہر ہر لمحہ امت مسلمہ کی اصلاح اور فلاح میں گزرا ہو۔ ہاں! کچھ ایسے افراد بھی اس دنیا میں آئے جن کی زندگی کا ہر ہر لمحہ ملت اسلامیہ کی صلاح و فلاح اور اصلاحِ اعمال میں گزرا۔

انھیں نفوسِ قدسیہ میں ایک عظیم المرتبت اور تاریخ ساز شخصیت جلالۃ العلم استاذ العلما حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمۃ، بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی ذاتِ گرامی بھی ہے۔ آپ کی ذات محتاجِ تعارف نہیں۔ آپ نے اپنی پوری زندگی خدمتِ خلق اور اصلاحِ امت میں گزاری۔ آپ قوم مسلم کی بدحالی اور ان کی بداعمالیوں کو دیکھ کر تڑپ جاتے اور حتی الامکان ان کی اصلاح کی کوشش فرماتے۔ چناں چہ آپ کے دردِ دل اور سوزِ دروں کا اندازہ آپ کی اس تحریر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

''مسلمانو جاگو اور خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ، تمہاری صلاح و فلاح اسی میں مضمر ہے کہ سچے اور پکے مسلمان بن جاؤ، تمہاری کامیابی اسی پر موقوف ہے کہ تمہاری زندگی اسلامی زندگی اور موت اسلامی موت ہو۔ تمہاری صورت اسلامی صورت اور سیرت اسلامی سیرت ہو۔ تمہارا ظاہر بھی اسلامی ہو اور باطن بھی اسلامی ہو۔ تمہارے عقائد بھی اسلامی ہوں اور اعمال بھی اسلامی، تمہارے جذبات اسلامی جذبات ہوں اور خیالات اسلامی خیالات۔ تمہارا سینہ اسلامی ایمانی انوار سے منور ہو اور تمہارا جسم اعمالِ صالحہ سے مزین، مصیبت پر صبر اور نعمت پر شکر تمہاری عادت ہو، اللہ عزوجل پر توکل و اعتماد تمہاری سرشت ہو، قرآنی تعلیمات پر عمل تمہاری طبیعت ثانیہ بن جائے۔'' (ارشاد القرآن، ص:۷)

اللہ اکبر! حضور حافظ ملت کے ان مبارک جملوں اور اس درد بھری تحریر کو پڑھ کر ہر کوئی اس بات کا بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ حافظ ملت کے دل میں امت مسلمہ کی اصلاح کا جذبہ کس قدر موج زن تھا جو آپ کی ہر ہر سطر سے عیاں اور ظاہر ہے، جسے پڑھ کر ہمیں ہماری اس چند روزہ زندگی کے بارے میں سوچنا چاہیے کہ ہم کتنے غافل اور کاہل ہیں کہ اطاعت الٰہی اور اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہٹ کر اس کے خلاف اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔ مولا عزوجل ہمیں حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی اس نصیحت آموز اور دردمندانہ تحریر کو پڑھ کر شریعتِ مطہرہ کے مطابق اپنی زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حافظ ملت اور اصلاح امت: حافظ ملت قدس سرہ ایک عظیم مفکر، مبلغ اور مصلحِ قوم و ملت تھے۔ انھوں نے اپنی بیش قیمت زندگی کے ایام و لمحات جس فکر اور جس کام میں گزارے وہ ہے تبلیغِ دین اور اصلاحِ امت۔ آپ پوری زندگی قوم مسلم کی بداعمالیوں اور بدکرداریوں کو دیکھ کر ہمیشہ متفکر رہتے اور قوم مسلم میں ایک صالح انقلاب پیدا کرنے کی سچی لگن اور تڑپ آپ کے قلب و جگر میں ہمیشہ انگڑائیاں لیتی رہی۔ گویا اصلاح امت ان کی زندگی کا ایک جزوِ لاینفک اور نصب العین بن گیا تھا۔ اب ہم بلاتردد یہ کہہ سکتے ہیں کہ حافظ ملت علیہ الرحمہ نے اصلاحِ امت کا جو عظیم کارنامہ انجام دیا اور اس کے جو بہترین اثرات مرتب ہوئے اس سے ایک جہاں منور ہو گیا۔

ڈاکٹر محمد عرفان سابق صدر شعبۂ اردو شبلی نیشنل کالج اعظم گڑھ، یو. پی. رقم طراز ہیں:

''یہ صحیح ہے کہ صالح انسانی فطرت ہمیں خدا کے وجود کا براہِ راست یقین بخشتی ہے، لیکن اکثر ہم فطرت کی گہرائیوں پر غور نہیں کرتے یا تعصبات کے زنگ ہماری نگاہوں کے لیے پردہ بن جاتے ہیں اور ہمیں معرفت نفس اور معرفتِ الٰہی تک پہنچنے میں مانع ہوتے ہیں۔ ایسے میں ایک مردِ مومن اٹھتا ہے، جس کا دل عشق و فقر کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے اور جس کا سینہ خدا کے نور سے روشن، اس کے بازو میں مژدۂ ''لاتخف'' سے بے پایاں قوت ہوتی ہے، وہ ہر طاقت سے نڈر ہوتا ہے اور ہر مصیبت سے بے پروا، وہ موت کو زندگی سمجھتا ہے اور اس

کا وجود موت کی دسترس سے بالاتر ہوتا ہے، وہ مادی دنیا میں رہتا ہے مگر آب و گل کی قیدوں سے آزاد اور بے نیاز ہو کر، وہ براہِ راست سرچشمۂ وجود سے فیض اور ہدایت حاصل کرتا ہے۔ وہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے عشق کی شراب پیتا ہے۔ دینی احکام اس کے لیے مرضی غیر کی خارجی بندشوں کی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ وہ اپنی فطرت میں ان کی اصل دیکھتا ہے۔ وہ ہمہ کردار ہوتا ہے مگر کم سخن، صلح میں وہ محبت و رافت کا مجسمہ ہوتا ہے اور جنگ میں عزم و ثبات کا پیکر، اس کے ہاتھ میں قوموں کی ترقی ہوتی ہے۔ اپنے عزم و عمل سے وہ زندگی کا نقشہ بدل دیتا ہے۔ اس کی صحبت کیمیا اثر رکھتی ہے۔ وہ دوسروں میں بھی نصب العین کی تڑپ پیدا کر دیتا ہے اور بے حس دلوں کو سوزِ آرزو بخش دیتا ہے۔ وہ غلاموں میں جذبۂ حریت بیدار کرتا ہے اور ان کو موجودہ نظام سے غیر مطمئن کر کے ایک بہتر نظام کی تعمیر و تشکیل کا جذبہ عطا کرتا ہے۔ ایسے ہی مردِ مومن کے لیے اقبال نے کہا ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حافظ ملت کی ذات باصفا ایسے ہی دیدہ ور کی مثال تھی جو ہزاروں سال بعد اس دنیا میں آتی ہے انھوں نے اپنی پوری زندگی ایک بڑے نصب العین کے لیے وقف کر دی۔ ان کا سونا اور جاگنا، جینا اور مرنا، سب اسی نصب العین کے لیے تھا۔ انھوں نے سوزِ یقین سے لوگوں کے دلوں میں ایک نیا عزم پیدا کیا۔ انھوں نے اپنی سعی اور کوشش سے مبارک پور جیسے معمولی قصبہ کو ایک علمی مرکز بنا دیا۔ واقعی اہل مبارک پور ان کو جتنا یاد کریں، ان کی جتنی عزت و توقیر کریں کم ہے۔'' (ماہ نامہ اشرفیہ، حافظ ملت نمبر، ص:۹۷-۹۸)

اس عبارت سے حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی تعمیری شخصیت کا ادراک کیا جاسکتا ہے کہ آپ نے قوم مسلم کو اس کی حیثیت واقعی سے قریب کرنے کے لیے کتنی کوششیں کیں۔ اس راہ میں آپ کو بڑی مشقتیں بھی درپیش آئیں، مگر سب کو آپ نے خندہ پیشانی سے قبول کیا اور اپنی منزل کی راہ میں آڑے نہ آنے دیا۔

قوم مسلم سے حافظ ملت کا خطاب: حضور حافظ ملت قدس سرہ کی مقدس حیات کا مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے سینے کی ہر سانس اور دھڑکن امت مسلمہ کی ہمدردی اور غم خواری میں ڈوبی ہوئی تھی۔ آپ ہمیشہ اپنی قوم کو عروج و ترقی کی راہ پر گام زن دیکھنا چاہتے تھے، حتی کہ آپ کے قول و فعل اور تحریر و تقریر کے ہر گوشے سے اصلاح امت کے سوتے پھوٹتے تھے۔ چوں کہ حافظ ملت اسم بامسمّیٰ تھے، اس لیے قوم و ملت کی اصلاح کا درد و غم ہمیشہ آپ کے سینے میں موجود تھا۔ آیئے اس سلسلے میں حافظ ملت کی ایک اصلاح کن اور درد و غم میں ڈوبی ہوئی تحریر ملاحظہ کریں جو آپ کی ملی ہمدردی اور قومی غم گساری کا بین ثبوت ہے۔

''برادرانِ اسلام! پیارے بھائیو! دنیا چند روزہ ہے، اس کی راحت و مصیبت سب فنا ہونے والی ہے، یہاں کی دوستی اور دشمنی سب ختم ہونے والی ہے۔ دنیا سے چلے جانے کے بعد بڑے سے بڑے رفیق و شفیق بھی کام آنے والا نہیں، بعد مرنے کے صرف صرف خدا اور اس کے رسول جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کام آنے والے ہیں۔ سفر آخرت کی پہلی منزل قبر ہے، اس میں منکر نکیر آ کر سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے اور تیرا دین کیا ہے، اسی کے ساتھ نبی کریم رؤف رحیم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مردے سے دریافت کرتے ہیں ''ما تقول فی هذا الرجل'' یعنی حضور کی طرف اشارہ کر کے پوچھتے ہیں کہ ان کی شان میں کیا کہتا ہے؟ اگر اس شخص کو نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم سے عقیدت و محبت ہے تو جواب دیتا ہے کہ یہ تو ہمارے آقا و مولا اللہ کے محبوب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان پر تو ہماری عزت و آبرو، جان و مال سب قربان، اس شخص کے لیے نجات ہے اور اگر حضور سے ذرہ برابر کدورت ہے، دل میں آپ کی عظمت و محبت نہیں ہے، جواب نہیں دے سکے گا، یہی کہے گا میں نہیں جانتا، لوگ جو کہتے تھے میں بھی کہتا تھا۔ اس پر سخت عذاب اور ذلت کی مار ہے۔ العیاذ باللہ۔

معلوم ہوا کہ حضور کی محبت مدار ایمان اور مدار نجات ہے، مگر یہ تو ہر مسلمان بڑے زور سے بڑے دعوے کے ساتھ کہتا ہے کہ ہم حضور سے محبت رکھتے ہیں۔ آپ کی محبت ہمارے دل میں ہے۔ لیکن ہر دعوے کے لیے دلیل چاہیے اور ہر کامیابی کے لیے امتحان ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعوا کرنے والوں کا یہ امتحان ہے کہ جن لوگوں نے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی شان اقدس میں گستاخیاں اور بے ادبیاں کی ہیں، ان سے اپنا تعلق قطع کریں۔ ایسے لوگوں سے نفرت اور بیزاری ظاہر کریں، اگرچہ وہ ماں باپ اور اولاد ہی کیوں نہ ہوں۔ بڑے سے بڑے مولانا، پیر و استاذ ہی کیوں نہ

ہوں، لیکن جب انھوں نے حضور کی شان میں بے ادبی کی تو ایمان والے کا ان سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ اگر کوئی شخص ان کی بے ادبیوں پر مطلع ہو جانے کے بعد پھر بھی ان کی عزت، ان کا احترام کرے اور اپنی رشتہ داری یا ان کی شخصیت اور مولویت کے لحاظ سے نفرت و بیزاری ظاہر نہ کرے، وہ شخص اس امتحان میں ناکامیاب ہے۔ اس شخص کو حقیقۃً حضور کی محبت نہیں صرف زبانی دعوا ہے۔ اگر حضور کی محبت اور آپ کی سچی عظمت ہوتی تو ایسے لوگوں کی عزت و عظمت، ان سے میل محبت کے کیا معنی؟ خوب یاد رکھو! پیر اور استاذ مولوی اور عالم کی جو عزت و عظمت کی جاتی ہے اس کی محض یہی وجہ ہے کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق اور نسبت رکھنے والا ہے مگر جب اس نے حضور ہی کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کی پھر اس کی کیسی عزت؟ اور اس سے کیسا تعلق؟ اس نے تو خود حضور سے اپنا تعلق قطع کرلیا، پھر مسلمان اس سے اپنا تعلق کیوں کر باقی رکھے گا۔

اے مسلمان! تیرا فرض ہے کہ اپنے آقا و مولا محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و عظمت پر مر مٹنے، ان کی محبت میں اپنا جان و مال، عزت و آبرو قربان کرنے کو اپنا ایمانی فرض سمجھے اور ان کے چاہنے والوں سے محبت، ان کے دشمنوں سے عداوت لازمی اور ضروری جانے۔ غور کرو! کسی کے باپ کو گالی دی جائے اور بیٹے کو سن کر حرارت نہ آئے تو صحیح معنی میں وہ اپنے باپ کا بیٹا نہیں۔ اسی طرح اگر نبی کی شان میں گستاخی ہو اور امتی سن کو خاموش ہو جائے، اس گستاخ سے نفرت و بیزاری ظاہر نہ کرے تو یہ امتی بھی یقیناً صحیح معنی میں امتی نہیں ہے بلکہ ایک زبانی دعوا کرتا ہے جو ہرگز قابلِ قبول نہیں۔ مسلمان ٹھنڈے دل سے غور کریں اور اپنی صداقتِ ایمانی کے ساتھ انصاف کریں کہ ایسے لوگوں سے مسلمانوں کو کیا تعلق رکھنا چاہیے؟ بلا رعایت اور بغیر طرف داری کے کہنا اور یہ بھی یاد رکھنا کہ اگر کسی کی شخصیت و مولویت کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی رعایت کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ ہے۔ نبی کے مقابلہ میں نبی کے گستاخ کی طرف داری اور رعایت تمہارے کام نہیں آسکتی؟ و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه سیدنا محمد و آله و اصحابه اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین۔" (حیات حافظ ملت، ص:۲۵)

اس اقتباس سے حضور حافظ ملت قدس سرہ کے دھڑکتے دل کے جذبات کو پورے طور پر سمجھا جا سکتا ہے کہ کس والہانہ انداز میں آپ نے قومِ مسلم کو صحیح سمت سفر کی طرف رہ نمائی کی ہے اور اطاعت رسول کی دعوت پیش کی ہے کہ پڑھنے والے پر بھی ایک کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

حافظ ملت کا مصلحانہ کردار: ہم جب حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے مصلحانہ کردار و عمل پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ یقیناً حافظ ملت کی پوری زندگی مسلمانوں کی صلاح و فلاح اور اصلاح عقائد و اعمال میں گزری۔ آپ جب کسی کو کوئی خلاف شرع کام کرتا دیکھتے تو فوراً اس کی اصلاح کی کوشش فرماتے۔ جیسا کہ ایک بار کا واقعہ ہے:

"جمعہ کا دن تھا اور جامع مسجد راجہ مبارک شاہ میں نمازِ جمعہ کے لیے آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا، استنجا کی جگہ کم تھی اور حاجت مند زیادہ، نتیجہ یہ تھا کہ دو آدمی استنجے کے لیے بیٹھے تھے اور متعدد اشخاص لوٹا لیے کھڑے انتظار میں تھے، طہارت کے لیے بیٹھنے والوں کی رانیں کھلی ہوئی تھیں۔ حافظ ملت جن کے لیے جامع مسجد راجہ مبارک شاہ کا پرشکوہ منبر منتظر تھا، صدر دروازے سے داخل ہوئے اور اتفاقاً حضرت کی نگاہیں گھٹنا کھولے استنجا کرتے شخص پر پڑ گئی۔ مسجد میں پہنچ کر منبر سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے اور آدھا گھنٹہ تک غیض میں ڈوبی ہوئی تقریر فرمائی۔ ستر پوشی سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات، بے حیائی پر وعیدیں اور طہارت کے احکام و آداب آپ کی تقریر کا عنوان تھا۔" (حیات حافظ ملت، ص:۵۳۰)

مفکر اسلام حضرت علامہ قمر الزماں اعظمی ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ، حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے قائدانہ و مصلحانہ کردار کے تعلق سے تحریر فرماتے ہیں:

"قوم کو تعمیری راہ پر لگانے کے لیے زبان و قلم کی توانائیاں صرف کیں۔ ان کے اندر عشقِ رسول کی شمع روشن کرنے کے لیے جسمانی مشقتیں جھیلیں، باطل کے مقابلے میں صبر و استقلال، ثبات و وقار عطا فرمانے کے لیے اپنے وجودِ مقدس کو ہر طرح سے ہر محاذ پر سب سے آگے رکھا۔ قوم کے اندر باطل قوتوں کے خلاف مدافعانہ جذبات بیدار کرنے کے لیے مصائب و آلام کے مقابلے میں سینہ سپر رہے۔ غریب قوم کو ایثار و قربانی پر مائل کرنے کے لیے فاقہ کشی کی زحمتیں برداشت کیں۔ اساتذہ کے اندر دنیاوی مطالبات سے بلند ہو کر دین کی خدمت کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے خود زندگی کے جملہ

معاشی مطالبات سے دست بردار رہے۔ طلبہ کے اندر زہد و اتقا پیدا کرنے کے لیے آپ اپنی فطرت سلیمہ کے مطابق ہمیشہ پابند شریعت و سنت مصطفیٰ رہے۔ لوگ آداب و شریعت کتابوں میں پڑھ کر جانتے ہیں، مگر حضور حافظ ملت کی حیات مقدس، شریعت مطہرہ کی ایک روشن کتاب تھی جسے دیکھ کر لوگ قانونِ زندگی اور دستورِ حیات سیکھتے تھے۔ ایسے ماحول میں جہاں رخصتیں تلاش کی جاتی ہیں آپ ہمیشہ پابند عزیمت رہے۔

وہ اگر ایک طرف اسلام کا نظامِ عبادت و طاعت پیش کرتے ہیں تو دوسری طرف اسلام کا اخلاقی اور روحانی نظام، اگر ایک طرف سیاست اسلامیہ عصر جدید کی زندہ حقیقت بن کر نمودار ہوتی ہے تو دوسری طرف وہ اسلام کے ماضی کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ وہ صرف مرثیہ نہ بن جائے بلکہ مستقبل کی راہوں میں امیدوں کے چراغ روشن کرے۔" (ماہ نامہ اشرفیہ، حافظ ملت نمبر، ص:۳۳۴-۳۳۵)

حافظ ملت اور اصلاحِ عقائد و اعمال: حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے جہاں مسلمانوں کو اوامر کی ادائیگی اور نواہی سے بچنے کا سبق پڑھایا، وہیں آپ نے مسلمانوں کو بد مذہبی اور بد عقیدگی سے دور رہنے کی ہدایت اور تاکید بھی فرمائی۔ جیسا کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں:

"بد عقیدگی بڑا ہی مہلک روحانی مرض ہے اور متعدی بھی ہے۔ اس مرض کا مریض دوسروں کو اپنے ہی جیسا بیمار کر دیتا ہے، اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ بد عقیدہ لوگوں سے پرہیز و گریز لازم جانیں۔ ان کی صحبت، ان کی دوستی کو ایمانی ہلاکت تصور کریں، ہمیشہ ان سے دور رہیں اور ان کو اپنے سے دور رکھیں۔" (حیات حافظ ملت، ص:۵۲۷)

ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

"واقعی مسلمانوں کی تباہی و بربادی کی وجہ صرف یہی ہے کہ انھوں نے رحمت عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دامنِ کرم چھوڑ دیا، احکامِ الٰہی کی پابندی سے منہ موڑ لیا۔"

(حیات حافظ ملت، ص:۵۲۱، مطبوعہ المجمع الاسلامی، مبارک پور)

مسلمانوں کو عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مسلمانو! تمہاری ہوا کا رخ وہی گنبدِ خضرا ہے، تمہارا مقصود وہی تاج دارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، تمہاری مشکلات کا حل انھیں کی نظرِ کرم اور اشارۂ ابرو پر موقوف ہے۔ تمہارے مقاصد کا حصول انھیں کی تعلیم پر عمل ہے، جس کو مسلمان اپنی بد نصیبی سے فراموش کر چکے ہیں۔" (ارشاد القرآن، ص:۶)

ادیب شہیر حضرت علامہ بدر القادری مصباحی صاحب قبلہ مقیم حال ہالینڈ، حضور حافظ ملت قدس سرہ کی اصلاح امت کی فکر کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کو خرافات و خرابات سے دور رہنے کی تلقین فرمائی۔ بد عملی و منکرات کا رد فرمایا۔ بے حیائی، بے پردگی، میلوں ٹھیلوں، کھیل تماشوں، ناچ رنگ، سنیما تھیٹر وغیرہ سے روکا اور ان کی مذمت فرمائی، ان کی برائیوں سے آگاہ فرمایا۔ غیر اسلامی رسوم اور تقریبات کا رد فرمایا۔

آپ نے اپنے شجرہ شریف میں ضروری ہدایات کے تحت جہاں مذہب اہل سنت و جماعت پر قائم رہ کر بد مذہبوں کو دشمن جاننے اور فرائض کی ادائیگی و اعمالِ صالحہ کی تلقین فرمائی ہے وہیں کذب، فحش، چغلی، غیبت، زنا، لواطت، ظلم، خیانت، ریا، تکبر، داڑھی منڈانے یا کتروانے والے فاسقوں کی وضع اختیار کرنے وغیرہ کو حرام قرار دیتے ہوئے ان سے بچنے کی سخت تلقین فرمائی ہے۔

آپ صرف مبارک پور یا قرب و جوار ہی میں نہیں، وعظ و تقریر کے لیے ملک کے جس مقام اور حصہ پر بھی تشریف لے جاتے وہاں مسلمانوں کو ان تمام برائیوں اور بدعات و منکرات سے باز رہنے کی تلقین فرماتے۔" (حیات حافظ ملت، ص:۵۲۹)

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی پر سوز اور جاں گداز زندگی کا سرسری جائزہ لینے سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ آپ کی مقدس زندگی کا ہر ہر لمحہ اور سینے کی ایک ایک سانس قوم مسلم کی ہمدردی اور ان کی اصلاح میں گزری۔ آپ نے زندگی بھر اپنے سینے میں قوم و ملت کے درد کو بسایا اور اسی سوزِ درد و غم میں اپنی مقدس حیات کا آخری لمحہ بھی گزار کر اس دنیائے فانی کو داغِ مفارقت دے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ابر رحمت تیرے مرقد پر گہر باری کرے
حشر تک شانِ کریمی ناز برداری کرے

مولا تعالیٰ ہمیں حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی مبارک زندگی سے سبق سیکھنے اور آپ کے عمدہ اسلوبِ دعوت و تبلیغ کو اپنا کر خدمت دین و سنیت کی توفیق بخشے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ☆

قاضی شہر کان پور
حضرت مولانا قاضی عبد السمیع

مبارک حسین مصباحی

قاضی شہر کان پور حضرت مولانا قاضی عبد السمیع علیہ الرحمہ کی شخصیت حلقۂ اہل سنت میں شہرۂ آفاق تھی۔ آپ کی حیات و خدمات کے حوالے سے ۲؍ اگست۲۰۰۸ء کو کان پور میں عظیم الشان سمینار و کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ سمینار بمقام راگیند سروپ پرفارمنگ سینٹر سول لائن میں ہوا، جس میں ملک کے نامور ارباب قلم اور علما و مشائخ نے شرکت کی اور اپنے گراں قدر مقالات و تاثرات پیش کیے۔ پیش نظر مضمون اسی سمینار میں راقم نے پیش کیا تھا۔ سمینار کے ذمہ داران کا اصرار تھا کہ اس مضمون کو اشرفیہ میں شائع ہونا چاہیے۔ امید کہ قارئین اشرفیہ ایک تقویٰ شعار مخلص رہ نما کے اوراقِ حیات کا مطالعہ کرنا پسند کریں گے۔ از: مبارک حسین مصباحی

بزرگوں کی یادیں منانا طریقِ اسلاف بھی اور زندگی کی علامت بھی، وسیلۂ ظفر و سعادت بھی ہے اور نئی نسلوں کے لیے مشعل ارشاد بھی۔ صد قابلِ مبارک باد ہیں یہ اہلِ محبت جنھوں نے قائد ملت حضرت علامہ قاضی عبدالسمیع علیہ الرحمہ کے حوالے سے کان پور میں سمینار و کانفرنس کا انعقاد کیا ہے۔ ۲؍اگست ۲۰۰۸ء کی یہ تاریخ سعید کان پور کی تاریخ اہل سنت میں ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔ ہر طرف ولولہ و شوق کا عالم ہے، دل و دماغ پر وجد آفریں جذبات انگڑائیاں لے رہے ہیں۔ علما اور مشائخ سراپا خراج بن کر رونقِ بزم ہیں۔ اربابِ علم و دانش عقیدت و محبت کے گل دستے لے کر حاضر ہیں۔ اس قدر نا شناسی کے دور میں یہ اعترافِ حقیقت بڑی بات ہے۔ خدائے قدیر اس شخصی عرفان اور شخصیت شناسی کے سلسلے کو دراز فرمائے، آمین۔

آئی جو ان کی یاد تو آتی چلی گئی
ہر نقش ما سوا کو مٹاتی چلی گئی

ہم نے عالمِ تصور میں جب بھی سر اٹھا کر حضرت قاضی صاحب کو دیکھا، پورا وجود کیف و سرور میں ڈوب کر رہ گیا۔ دبلا پتلا انتہائی دل آویز سراپا، آئینے کی طرح چمکتا ہوا گورا بدن، پر کشش نورانی چہرہ، تاجِ عظمت لیے ہوئے بلند پیشانی، کائناتی وسعتوں کو سمیٹے ہوئے جھیل سی آنکھیں، گلاب کی پتیوں کی طرح پتلے پتلے تبسم ریز لب، خاموش ہوں تو تدبر کا پیکر نظر آئیں اور لب کھولیں تو پھول برسائیں، مدھم اور شیریں آواز، دل فریب لب و لہجہ، حسن اخلاق کے مہر تاباں اور اخلاص و وفا کے پیکرِ جمیل، جو ایک بار ملاقات کر لیتا بار بار ملاقات کا جذبۂ شوق لے کر اٹھتا، خود کم بولتے اور کوئی بولتا تو پوری توجہ کے ساتھ سماعت فرماتے، وہ جس مجلس میں بیٹھ جاتے میر مجلس نظر آتے، ان کے گرد ہمیشہ اہلِ محبت کا حلقہ نظر آتا، بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنھیں ان کی محفلیں میسر آئیں۔

حضرت مولانا قاضی عبدالسمیع علیہ الرحمہ ۱۹۳۲ء میں شہر کان پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے جد امجد حضرت مولانا قاضی مفتی عبدالرزاق علیہ الرحمہ نگینہ ضلع بجنور سے کانپور تشریف لائے اور محلہ بانس منڈی کان پور میں سکونت اختیار فرمائی۔ یہاں آپ نے ایک مسجد تعمیر کرائی اور اس میں مدرسہ امداد العلوم قائم کیا، اس مدرسہ سے تعلیم و تربیت اور دعوت و تبلیغ کا گراں قدر کارنامہ انجام پایا۔ حضرت مفتی عبدالرزاق علیہ الرحمہ فتویٰ نویسی کی خدمت بھی انجام دیتے تھے۔ ۱۹۲۱ء میں انھوں نے اسی مدرسے میں باضابطہ دارالقضا قائم فرمایا۔ ۱۹۴۶ء میں حضرت قاضی عبدالرزاق علیہ الرحمہ اس دار فانی سے کوچ فرما گئے۔ اس وقت حضرت مفتی قاضی عبدالسمیع علیہ الرحمہ کی عمر ۱۳؍برس تھی۔

حضرت قاضی عبدالسمیع علیہ الرحمہ کی پرورش اور ابتدائی تعلیم

حضرت جد امجد کے زیر سایہ ہوئی۔ جد امجد کے انتقال کے بعد مزید تعلیم حضرت مولانا مفتی محبوب احمد اشرفی مصباحی کی درس گاہ میں ہوئی۔ حضرت مفتی محبوب احمد اشرفی دار العلوم اشرفیہ مبارک پور کے فارغ اور حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مبارک پوری کے تلمیذ رشید تھے۔ اس طرح حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ حضور حافظ ملت کے سلسلۂ تلمذ ہی کی ایک خوب صورت کڑی تھے۔ حضرت قاضی عبدالرزاق علیہ الرحمہ کے انتقال کے بعد متعدد علما اور مفتیانِ کرام نے یکے بعد دیگر دار القضا کی ذمہ داریوں کو سنبھالا۔ ۱۹۶۴ء میں حضرت مفتی قاضی عبدالسمیع علیہ الرحمہ نے منصب قضا سنبھالا اور زندگی کے آخری لمحے تک اس عظیم منصب پر قائم رہے۔ شہر قاضی ہونے کی حیثیت سے آپ نے اہم علمی، تبلیغی اور سماجی خدمات انجام دیں۔

حضرت قاضی عبدالسمیع علیہ الرحمہ گو کہ ایک شخص تھے مگر ان کی دینی، علمی، جماعتی اور سیاسی خدمات نے ایک شخصیت بنا دیا تھا۔ ان کی زندگی کے مختلف پہلو تھے اور ہر پہلو ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا تھا۔ ان کے سینے میں درد مند دل تھا، ان کی محفلوں میں عام طور پر دینی اور جماعتی مسائل موضوع بحث رہتے تھے، ان کے سامنے اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے اگر کوئی افسوس ناک مسئلہ آتا تو وہ تڑپ جاتے تھے۔ اس مسئلے کے حل کے لیے ہر ممکن تدبیر کرتے اور مسلسل جد و جہد کرتے۔ ان کی بساطِ حیات جماعتی اور ملی مسائل سے بھری ہوئی نظر آتی ہے۔ کتنے ہی اہم مسائل کے حل کے لیے وہ لکھنؤ سے دہلی تک دوڑے، وہ بھی ایسے ماحول میں کہ عام مسلم قائدین خود غرضیوں کی چادروں سے نکلنا گوارا نہیں کرتے تھے۔

راقم سطور نے ان کا بھاری بھر کم نام عہد طالب علمی ہی میں سن رکھا تھا، مگر ان کو قریب سے دیکھنے اور ملنے کے مواقع اس وقت میسر آئے جب میں بھی دینی اور ملی پروگراموں میں شرکت کرنے لگا۔ دہلی اور لکھنؤ کے متعدد پروگراموں میں ان سے سرسری ملاقاتیں ہوئیں، مگر ہر ملاقات میں وہ اپنی بلند اخلاق شخصیت کی چھاپ چھوڑ جاتے اور میں ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ ان کی شخصیت میں ایک خاص بات میں نے یہ محسوس کی کہ اہل سنت و جماعت کا ہر طبقہ اور ہر فرد انھیں عزت و وقار کی نظر سے دیکھتا تھا۔ وہ ایک مفتی اور قاضی ہونے کے ساتھ بساطِ سیاست پر بھی اپنی منفرد شناخت رکھتے تھے، بلکہ گہرا اثر رکھتے تھے، مگر ان میں عام سیاسی لیڈروں کی طرح بازی گری نہیں تھی، جو عام طور پر ذاتی مفاد پرستی اور ہوس اقتدار میں مبتلا رہتے ہیں۔ قاضی صاحب کے یہاں خود غرضی، تملق مزاجی اور مخفی مفاد پرستی کا کوئی تصور نہیں تھا، انھوں نے اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کے لیے نہ کوئی کانفرنس کی اور نہ احتجاجی مہم چلائی، وہ اہل سنت کے عظیم رہ نما اور فلک پیما قائد ہونے کی حیثیت سے جتنے بلند قامت تھے بڑی آسانی سے اقتدار کی کرسی تک پہنچ سکتے تھے مگر وہ اپنے لیے نہیں زمانے کے لیے جینے کا ہنر جانتے تھے۔

حضرت قاضی عبدالسمیع علیہ الرحمہ بجائے خود ایک انجمن جہاں آرا تھے، خدمت خلق اور ایثار و وفا کا جذبہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، دلِ درد مند ہر کسی کا مقدر نہیں ہوتا، ہندو مسلم فساد ہو، مسجد و مدرسہ کے خلاف کوئی سازش ہو، مسلم پرسنل لا کے خلاف کوئی شورش اٹھے، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کوئی آواز اٹھے، وہ ہر موقع پر سینہ سپر ہو کر آگے آجاتے تھے۔ اور ان کی شخصیت جماعتی شیرازہ بندی کی بھی ضمانت تھی، ان کی حیات میں مسلمانان کان پور اور علمائے کان پور بڑی حد تک متحد تھے، بلکہ ان کی آواز پر ہمہ تن گوش رہتے تھے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے وہ اخلاص و للّٰہیت کے پیکر تھے، کانپور کے پرشاسن میں ان کا وزن محسوس کیا جاتا تھا۔ اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے جب بھی کوئی مسئلہ کھڑا ہوتا، انتظامیہ ان سے مشورہ طلب کرتی اور ان کے اشارے پر کام کرتی۔ کان پور کے علما اور عوام ان کو اپنا دینی رہ نما اور ملی قائد تسلیم کرتے تھے اور یہ اس دور میں بہت بڑی بات تھی بلکہ ان کی باوزن اور قائدانہ شخصیت کی صداقت تھی۔

جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ ان سے ہماری سرسری ملاقاتیں مختلف پروگراموں میں ہوئیں، وہ جس محبت اور اخلاص سے نوازتے، اس سے ان کے اخلاق و کردار کی بلندی کا پتہ لگانا مشکل نہیں تھا۔ مگر تفصیلی ملاقات وصال سے ایک ڈیڑھ ماہ قبل، ان کی مسجد کے حجرے میں ہوئی تھی۔ تقریب ملاقات یہ تھی کہ تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور کی ضلعی شاخوں کی تشکیل کا سلسلہ چل رہا تھا۔ کان پور، کان پور دیہات اور فتح پور میں تشکیل کا جب منصوبہ بنا تو ان ضلعوں کے علما سے رابطہ قائم کیا گیا اور میٹنگ کے لیے کان پور کا انتخاب کیا گیا۔ کان پور میں بطور خاص حضرت مفتی محمد حنیف

مصباحی سے رابطہ کیا۔ انھوں نے علمائے کان پور سے تبادلۂ خیال کے بعد حضرت علامہ محمد احمد شاہدی مصباحی علیہ الرحمہ کے مدرسہ دار العلوم شاہ اعلیٰ قدرتیہ، جاجمؤ میں میٹنگ رکھی۔ قاضی شہر کان پور حضرت قاضی عبد السمیع صاحب کو بھی مدعو کیا گیا تھا مگر وہ اپنی شدید علالت کی وجہ سے شریک نہیں ہو سکے۔ میٹنگ میں تینوں ضلعوں کے درجنوں علما اور مصباحی برادران نے شرکت فرمائی۔ تنظیم کے اغراض و مقاصد کو پیش کیا گیا۔ علما نے اپنے گراں قدر تاثرات کا اظہار کیا اور اہلِ سنت و جماعت میں تنظیمی شعور کو بیدار کرنے اور تنظیم کو متحرک و فعال بنانے پر زور دیا۔ آخر میں بہ اتفاق رائے ضلع کان پور کی شاخ تشکیل پائی اور دو اہم شخصیات کو سرپرست منتخب کیا گیا۔ حضرت علامہ قاضی عبد السمیع علیہ الرحمہ اور حضرت علامہ محمد احمد شاہدی مصباحی علیہ الرحمہ۔ افسوس اب یہ دونوں شخصیات ہمارے درمیان سے رخصت ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبروں پر رحمت و نور کی بارش فرمائے۔ آمین۔

اس میٹنگ میں مرکزی کمیٹی کے نمائندوں کی حیثیت سے تین حضرات نے شرکت کی تھی، حضرت مولانا محمد ادریس بستوی، حضرت مفتی زاہد علی سلامی، اور یہ راقم سطور مبارک حسین مصباحی۔ میٹنگ کے بعد مولانا محمد ادریس بستوی صاحب تو واپس ہو گئے۔ تنظیم کا جنرل سکریٹری مفتی محمد حنیف مصباحی کو منتخب کیا گیا تھا۔ ہم لوگوں نے باہم مشورہ کے بعد یہ طے کیا کہ میٹنگ کی روداد حضرت قاضی عبد السمیع صاحب کو بالمشافہ سنا دی جائے، اور مزید کارگزاریوں کے لیے ان سے مشورہ اور دعا بھی لے لی جائے۔ مولانا محمد حنیف مصباحی کی معیت میں ہم لوگ جب حضرت قاضی عبد السمیع صاحب کے حجرے میں پہنچے تو نماز مغرب کا وقت قریب تھا۔ حضرت سخت علیل تھے، مگر ہمیں دیکھ کر کھل اٹھے، اپنا مرض بھول گئے۔ ہم نے تنظیم کے اغراض و مقاصد اور کان پور میٹنگ کے حوالے سے بتایا اور اسی کے ساتھ یہ خبر بھی دی کہ درجنوں علما نے اتفاق رائے سے شاخ کان پور کا آپ کو سرپرست منتخب کیا ہے۔ حضرت نے فرمایا، مجھے سرپرست بنانے کی کیا ضرورت تھی، خیر یہ آپ حضرات کی محبت ہے، میں جس لائق ہوں، ہر وقت حاضر ہوں۔ مفتی حنیف صاحب جوان ہیں، صاحب علم ہیں، ماشاء اللہ خوب کام کریں گے۔

اس ابتدائی گفتگو کے بعد جب ہم لوگوں نے اہل سنت و جماعت میں تنظیمی فقدان پر اظہار افسوس کیا تو حضرت غم کی تصویر بن گئے۔ حضرت نے فرمایا: یہ رونا تو بہت زمانے سے رویا جا رہا ہے۔ مگر افسوس ہمارے یہاں اجتماعی بالا دستی کا کوئی تصور نہیں، ہر فرد انفرادی بالا دستی چاہتا ہے۔ اے کاش ہمارے علما میں تنظیمی مزاج پیدا ہو جائے تو ہم لوگ ہر میدان میں نمایاں کردار ادا کر سکتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا: مولانا میں اشرفیہ کا فارغ نہیں ہوں مگر جامعہ اشرفیہ اور اس کے فرزندوں سے قلبی لگاؤ رکھتا ہوں۔ جامعہ کی دینی، ملی اور علمی خدمات سے بے پناہ متاثر ہوں۔ تعلیم و تربیت کے میدان میں جو کام اشرفیہ نے کیا وہ کسی نے نہیں کیا۔ اسی وجہ سے میں نے اپنے نواسے محمد ثاقب سلمہ کو جامعہ اشرفیہ میں داخل کیا۔ حضرت کے نواسے محمد ثاقب اس وقت جامعہ اشرفیہ میں زیر تعلیم ہیں۔

حضرت قاضی صاحب قبلہ مسلکی اور جماعتی معاملات و مسائل میں تصلب پسند تھے، تشدد پسند نہیں تھے۔ ہماری جماعت کے بعض علما کے تشدد نے جماعت کو بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ یہ ایک سچائی ہے کہ ہم بے جا تشدد کے نتیجے میں پھیلنے کے بجائے سمٹ رہے ہیں۔ وہ بلاشبہہ اخلاص و وفا اور حسن اخلاق کے پیکرِ جمیل بھی تھے اور دور اندیش اور معاملہ فہم بھی۔

حضرت قاضی عبد السمیع علیہ الرحمہ کی شخصیت علما اور عوام کے درمیان یکساں مقبول تھی، ان میں فقہ و تدبر اور فیصلے کی بھر پور صلاحیت موجود تھی۔ مارہرہ مطہرہ، بریلی شریف، کچھوچھہ مقدسہ اور مبارک پور کے علما و مشائخ آپ پر اعتماد فرماتے تھے۔ کان پور کے تعلق سے جب بھی کوئی دینی، جماعتی اور سیاسی مسئلہ اٹھتا، علمائے کرام اور ارباب دانش حضرت قاضی صاحب سے رابطہ کرتے۔ وہ بلاشبہہ مفتی و قاضی بھی تھے اور عالم و واعظ بھی، بلند پایہ دانش ور بھی تھے اور دور اندیش سیاست داں بھی۔ اخلاص و للٰہیت کے پیکر بھی تھے اور مرجع خلائق بھی۔ ان کا وجود مسعود ایک شخص نہیں بلکہ فکر و بصیرت سے لبریز ایک شخصیت تھا۔ ایسی بلند پایہ اور بلند کردار شخصیتیں برسوں کے بعد منصۂ شہود پر رونما ہوتی ہیں۔ حضرت قاضی صاحب ۱۹۳۲ء میں شہر کان پور میں پیدا ہوئے اور ۲۰۰۹ء میں پردہ فرما گئے۔ کان پور کی سرزمین پر ان کا خلا برسوں محسوس کیا جائے گا۔ خدائے قدیر و غفور ان کی مرقد پر رحمت و نور کی بارش فرمائے۔ آمین، بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔ ☆☆☆

حضرت شاہ عزیز احمد ابو العلائی قدس سرہ

ایک مرد مجموعۂ محاسن

محمد عبد المبین نعمانی قادری

ممدوحِ مکرم حضرت مولانا سید شاہ حکیم عزیز احمد ابو العلائی علیہ الرحمہ ایک ایسے مجموعۂ محاسن مرد تھے جن کی مثال طبقۂ علما میں بھی ملنی مشکل ہے اور اربابِ خانقاہ میں بھی، حسنِ اخلاق کے تو آپ پیکر تھے۔ ناچیز راقم الحروف محمد عبد المبین نعمانی کو متعدد بار خانقاہ ابو العلائیہ حلیمیہ نیا حجرہ چک الٰہ آباد میں قیام کا موقع ملا۔ ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور کی اولین طباعت الٰہ آباد اسرار کریمی پریس میں ہوا کرتی تھی۔ اس کی طباعت کے سلسلے میں بھی کئی بار الٰہ آباد جانا ہوا اور المجمع الاسلامی مبارک پور کی کتابوں کی اشاعت کے سلسلے میں بھی۔ یہ وہ دور تھا جب ہم لوگوں نے دہلی کا رُخ نہیں کیا تھا، یہ تقریباً تیس سال پہلے کی بات ہے۔ الٰہ آباد میں قیام ہر بار خانقاہ ہی میں ہوتا تھا۔ میں دور سے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ سے خوب واقف تھا، بنارس کے جلسوں میں متعدد بار ان کی تقریریں سنی تھیں۔ قریب سے بات ملاقات کبھی نہ تھی، ہاں! شاہزادہ والا تبار حضرت مولانا ڈاکٹر سید شاہ شمیم احمد گوہر ابو العلائی مصباحی دام ظلہ سے دوستانہ مراسم تھے اور ان کے مجھ پر خسروانہ مراحم، اس تعلق سے میں خانقاہ میں جایا کرتا۔ جب بھی گیا اکثر شاہ صاحب کو دالان میں رونق افزا پایا، کبھی تو شمیم صاحب فوراً مل جاتے ورنہ شاہ صاحب سے دریافت کرنا پڑتا کہ شمیم صاحب کہاں ہیں؟ شاہ صاحب فوراً جواب دیتے، تشریف رکھیے، آتے ہیں۔ پھر خود آواز دے کر بلاتے یا کوئی حاضر ہوتا تو اس سے بلواتے، کہیں باہر گئے ہوتے تو فرماتے کہ باہر گئے ہیں، دو روز یا تین روز میں آئیں گے۔ شہر ہی میں ہوتے تو کہتے ٹھہریے چند گھنٹے میں ملاقات ہوتی ہے۔ میں نہ سوالات زیادہ کرتا، نہ کوئی لمبی گفتگو، سوائے ضروری سوال و جواب کے۔ مجھے ٹھہرنا ہوتا تو فوراً خاص حجرہ کھول دیا جاتا جس میں سامان رکھتا، پھر جہاں جانا ہوتا میں چلا جاتا۔ کھانے کے وقت کبھی ایسا نہ ہوا کہ کھانے کو نہ پوچھا گیا ہو۔ سید شمیم صاحب رہتے یا نہ رہتے۔ سید شمیم صاحب رہتے تو میری بے تکلفی رہتی، لیکن ان کے نہ رہنے پر بھی حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے کبھی بے رخی کا ثبوت نہ دیا اور نہ خاطر مدارات میں کبھی کوئی کمی کی اور نہ اپنی گفتگو اور انداز سے یہ احساس ہونے دیا کہ میرا قیام ان پر گراں گزر رہا ہے۔ بالعموم بچوں کے احباب کے ساتھ والدین کا سلوک بہت اچھا نہیں ہوتا، بے رخی سے جواب دینے ہی پر زیادہ اکتفا کیا جاتا ہے، یہ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی بلند اخلاقی کی ایک مثال تھی جو پیش کر دینا میں نے مناسب سمجھا، جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی بڑوں کی بڑی بات ہوتی ہے۔

میں نے حضرت شاہ صاحب کو خانقاہ میں جب بھی دیکھا تو کسی نہ کسی کام میں مشغول ہی دیکھا۔ آنے والے مہمانوں اور واردین و صادرین سے گفتگو اور ان کی حاجت برآری میں دیکھا یا اخبار بینی کرتے یا پھر تسبیح لے کر ذکر کرتے ہوئے پایا، کبھی آرام کرتے ہوئے بھی دیکھا۔

حضرت شاہ صاحب کے پاس ہر قسم کے لوگ ہندو مسلم آتے، سب سے خندہ پیشانی سے ملتے اور ان کی ضرورتیں پوری کرتے، کسی کو واپس کرتے یا ناراض کرتے نہ دیکھا۔ کسی سے کبھی درشت لہجے میں بھی بات کرتے نہ دیکھا۔ جس کے وہاں ضرورت مند زیادہ آتے ہیں اس کا موڈ مزاج اکثر خراب ہی رہتا ہے اور اکثر نہیں تو کبھی کبھی ضرور ان سے غصے کا اظہار ہوتا ہے۔ لیکن حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ اس سلسلے میں بھی ممتاز مقام کے حامل تھے جس کی مثال بہت کم مل سکے گی۔

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی تقریر کے اندر بھی ایک بڑی خوبی تھی، وہ یہ کہ آپ کا موضوع اور عنوان مثبت پہلو لیے ہوئے ہو یا منفی، لہجے میں کرختی اور درشتی کبھی بھی دیکھنے میں نہ آئی۔ حتی کہ جب کبھی ردِ وہابیہ فرماتے تو اس کا انداز بھی بڑا پر مزاح اور دل نشیں ہوتا کہ مخالف بھی ہنسنے پر مجبور ہو جاتا اور برا اثر نہیں لیتا، یہ خوبی شاید ہی کسی مقرر اور خطیب میں ملے گی۔

بات میں بات نکالنے کی صلاحیت آپ کے اندر بے پناہ تھی، ایک بار جامع مسجد راجہ مبارک شاہ مبارک پور میں الجامعۃ الاشرفیہ کا جلسۂ دستار فضیلت منعقد ہوا۔ یہ وہ دور تھا کہ جامعہ کی بلڈنگ زیر تعمیر تھی اور جلسۂ دستار فضیلت مسلسل قصبہ ہی میں منعقد ہوتا چلا آ رہا تھا۔ پہلے

مہتمم جامعہ قادریہ، چریا کوٹ، مئو

گولہ بازار مبارک پور میں ہوتا تھا، لیکن کسی وجہ سے جب جامع مسجد میں ہوا اور حضرت شاہ صاحب مدعو ہوئے اور تشریف بھی لائے، تو دوران تقریر فرمایا: ”یہ جلسہ دستار بندی کا ہے، علما کے سروں پر دستار باندھی جائے گی، دستار میں دس تار ہیں اور جانتے ہیں یہ کس کی طرف اشارہ ہے؟ عشرہ مبشرہ کی طرف، کیوں کہ ان کی تعداد بھی دس ہے، گویا یہ نیابتِ رسول کی بھی دستار ہے اور عشرہ مبشرہ کی نیابت کی بھی۔“ یوں دستار اور دس کے عدد پر دیر تک نکتہ آفرینی کرتے رہے۔ مجھے یاد آتا ہے کہ یہ بھی فرمایا: یہ دستار صدیق اکبر کی نیابت ہے، فاروقِ اعظم کی نیابت ہے، عثمان ذوالنورین کی نیابت ہے، مولا علی کی نیابت ہے، طلحہ و زبیر کی نیابت ہے، عبد الرحمٰن کی نیابت ہے، سعد و سعید کی نیابت ہے، عبیدہ بن جراح کی نیابت ہے۔ آپ تقریر کرتے رہے اور پورا مجمع ہمہ تن گوش سنتا رہا۔ استاذ العلما جلالۃ العلم حافظ ملت علامہ شاہ حافظ عبد العزیز محدث مراد آبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ بھی تشریف فرما تھے اور محظوظ ہو رہے تھے۔ غالباً دستار بندی کا مبارک پور قصبہ میں ہونے والا یہ آخری اجلاس تھا، اس کے بعد ہی جامعہ کے صحن اور میدان میں دستار بندی کے جلسے منعقد ہونے لگے جو بعد میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد عرس عزیزی میں ضم کر دیے گئے۔

ایک بڑی خصوصیت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی، ان کی بذلہ سنجی اور خوش گفتاری تھی، جس کا تذکرہ تقریباً اکثر اظہارِ خیال کرنے والوں نے کیا ہے۔ لیکن اس تعلق سے میں دو باتیں کہنا چاہوں گا۔ ایک تو یہ کہ آپ کی بذلہ سنجی اور پر مزاح گفتگو سنجیدہ ہوتی تھی، اس کے اندر مذاق اور پھوہڑ پن کی آمیزش نہیں ہوتی تھی کہ کسی کی شخصیت مجروح ہو یا کسی کی دل آزاری ہو۔ دوسری بات یہ کہ بالعموم بذلہ سنج اور پر مزاح لوگ اپنا وقار کھو بیٹھتے ہیں اور عام طور سے لوگ ان سے بے تکلف ہو جاتے ہیں لیکن آپ کا حال یہ تھا کہ ہر نئے پرانے ملنے والوں پر آپ کا رعب برابر قائم رہتا تھا اور کوئی آپ کے سامنے بالکل بے تکلف ہوتا نظر نہیں آتا۔ یہ دو وہ خصوصیات ہیں جو بذلہ سنجوں میں عام طور سے نہیں پائی جاتیں۔

بہت سے خانقاہی حضرات بلکہ اب تو اکثر دیکھا جاتا ہے کہ وہ اپنی آزاد مزاجی اور شریعت کی پاس داری کی دوری کی وجہ سے علمائے کرام سے دور رہتے ہیں کہ کہیں ان کو شریعت کی کسوٹی پر پرکھ نہ لیا جائے، لیکن حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ علمائے کرام کا پورا پورا احترام کرتے اور ان کے ساتھ ان کے مقام و مرتبے کے اعتبار سے پیش آتے، علمائے شریعت سے نہ گھبراتے، نہ ان کی بے وقعتی کو روا رکھتے۔ اس میں غالباً ان کے والد گرامی جامع شریعت و طریقت حضرت علامہ سید عبد الرشید عظیم آبادی علیہ الرحمہ (تلمیذ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ) کے حسن تربیت کو بھی بڑا دخل تھا۔

دینی خدمات کے تعلق سے تو حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی سب سے بڑی خدمت آپ کے دینی و تبلیغی خطابات ہیں جو خواص و عوام کو دین و سنیت سے قریب کرتے اور ان کے اندر دینی جذبہ بیدار کرتے۔ اس کے علاوہ دوسرا اہم مشن آپ کا خلق خدا کی خدمت تھی جو صوفیہ کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ گویا حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی زندگی حدیث رسول: خیر الناس انفعهم للناس. (جامع صغیر امام سیوطی) ”لوگوں میں بہترین آدمی وہ ہے جو لوگوں کے لیے زیادہ نفع بخش ہو“ کی صحیح مصداق تھی۔

حضرت شاہ صاحب بڑے طمطراق کے آدمی تھے، شان و دبدبہ ایسا تھا کہ بڑے بڑے ملتے گھبراتے تھے، لیکن جو بھی ملتا، خوش ہوتا اور اثر لیے بغیر نہ رہتا۔ نئے لوگوں سے بھی ایسا ملتے جیسے پرانی ملاقات ہے، خیریت ضرور پوچھتے، صرف سلام کے جواب پر اکتفا نہ کرتے، اور ہر آنے والے کی حسب مراتب و موقع ضیافت بھی ضرور کرتے۔ دن بھر آنے والوں کا تانتا بندھا رہتا مگر آپ ان سے اکتاتے نہیں۔ گھر ہوتے تو خانقاہ کے برآمدے ہی میں اکثر تشریف رکھتے، شاید اس لیے کہ آنے والوں کو بلانے اور آواز دینے کی زحمت نہ ہو۔

لباس بڑا شاہانہ اور عمدہ زیب تن فرماتے، چلتے تو رفتار سے بھی شاہانہ کر و فر ٹپکتا، جدھر سے گزرتے ہر کوئی ایک نظر ضرور ڈالتا۔ حافظ ملت اور مجاہد ملت علیہما الرحمہ سے بہت زیادہ شغف رکھتے اور یہ حضرات بھی حضرت شاہ صاحب کا احترام و لحاظ فرماتے۔

آپ کی یاد برابر آتی ہے، الٰہ آباد کا ذکر آتا ہے تو آپ کی یاد آتی ہے، کبھی خانقاہ ابو العلائیہ جانا ہوتا ہے تو آپ کی یاد آتی ہے۔ آپ کی ایک ایک ادا دل کو تڑپاتی ہے۔ آپ جیسی شخصیت شاید اب نہ ملے۔ اب آپ کے شاہ زادے مولانا ڈاکٹر سید شمیم گوہر مصباحی آپ کی جگہ سنبھالے ہوئے ہیں اور آپ کے روحانی فیض کی سوغات بانٹ رہے ہیں۔ آپ ہی حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے جانشین اور سجادہ نشین بھی ہیں●

ہائے ایسے بھی سیاست میں مقام آتے ہیں

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

شہید اہل سنت ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی کی شہادت نے سارے پاکستان کو ہلا کر رکھ دیا۔ ہر شخص نے اس ظالمانہ حرکت کی بھرپور مذمت کی، فٹ پاتھ پر زندگی بسر کرنے والے پاکستانی سے لے کر ایوان صدارت میں براجمان تک ہر شخص اس سانحہ پر چلا اٹھا کہ

ع: یاراں خبر دہید کہ این داد خواہ کیست!

محمد سرفراز نعیمی کو کس جرم پر شہید کیا گیا ہے؟ کس قصور پر اسے خونیں کفن پہنایا گیا ہے؟ ادھر ملک کی فضا اس بطل حریت کی شہادت پر ماتم کر رہی تھی کہ سوات و دیر کے علاوہ قبائلی علاقوں کے لوگوں کو نشانہ ستم بنایا جانے لگا۔ بے گناہ لوگ لاکھوں کی تعداد میں گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ علمائے کرام کے گلے کاٹے گئے۔ بزرگان دین کے مزارات کو دھماکوں سے اڑا دیا گیا۔ علما و صلحا کی لاشوں کو قبروں سے نکال کر درختوں پر لٹکا دیا گیا۔ کئی لاکھ لوگ گھر بار چھوڑ کر اپنے ہی ملک میں مہاجر بن گئے اور سڑکوں اور کیمپوں میں بے یار و مددگار بن گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

”نرم گوشہ رکھنے والے علمائے کرام“ اپنی ”خضابی داڑھیوں“ پر ہاتھ پھیر پھیر کر کہنے لگے۔ یہ طالبان شریعت نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ”صوفی محمد“ کے مجاہد ہیں۔ ”شریعت محمدیہ“ نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ ان سے باتیں کرو۔ انھیں ٹھنڈا کرو۔ ڈائیلاگ کرو۔ محبت کرو۔ پیار کرو۔ آپریشن نہ کرو۔ فوج نہ بھیجو۔ سختی نہ کرو۔ یہ بچے بگڑ جائیں گے۔ افغانستان کے بچے آج تک بگڑے ہوئے ہیں۔ محسودیوں کے بچے آج تک بگڑے ہوئے ہیں۔ ان سے میٹھی میٹھی باتیں کرو۔ ورنہ یہ سواتی بچے بھی بگڑ جائیں گے۔ دوسری طرف ان علمائے کرام کے ساتھی سیاست داں بھی نرم گوشوں کے مالک ہیں۔ کہتے پھرتے ہیں کہ ان کے ساتھ بات چیت کرو۔ محبت کرو۔ پیار کرو۔ ورنہ یہ بگڑے ہوئے بچے اور بگڑ جائیں۔ ان ”مولویوں اور سیاست دانوں“ کی باتیں اپنی جگہ درست مگر......

جن طالبان کے نفاذ شریعت کرنے والے مجاہدین نے سوات و دیر سے لاکھوں عوام کو گھروں سے نکال باہر کیا ہے۔ پیاری پیاری اور میٹھی میٹھی باتیں کب سنتے ہیں جو بستیوں کی بستیوں کو خالی کراتے جاتے ہیں۔ لاکھوں لوگوں کو گھروں سے نکال کر ان کا سامان باہر پھینک دیتے ہیں اور پھر ”شریعت نافذ کرنے کے لیے“ شہروں کو ویرانوں میں تبدیل کر رہے ہیں۔ ان سے کون سا معاہدہ صلح اور قرار داد امن طے کیا جائے گا۔ جو لوگ بچوں کو لے کر گھروں سے نکلے ہیں اپنی زبانوں سے چلا چلا کر کہہ رہے تھے۔

”طالبان نیستند دیوان آمدند“

یہ طالبان نہیں یہ جنات اور دیو ہیں۔

یہ تو ان علاقوں کا تذکرہ ہے جہاں قیامت گزری ہے۔ اب یہ ”طالبان یا دیو“ پنجاب کے مزارات، مساجد، علمائے اہل سنت اور مشائخ عظام کو بھی ٹارگٹ کلنگ کے پیغامات بھیجنے لگے ہیں۔ ہماری مساجد، ہماری خانقاہیں اور ہمارے ادارے ان جنات کی زد میں ہیں۔ ”دیوبند“ کے قلعوں سے نکل کر ملک میں ادھم مچا رہے ہیں۔ ہمارے پُرامن لوگ کس کس کے ہاتھ پر خون آلود خنجروں کی نشاندہی کریں۔ کس کس بستی میں دھماکوں کا سامان تلاش کریں۔ کس کس شہر کے تہہ خانوں میں موت کا سامان ڈھونڈیں۔ کس کس مدرسہ کو طالبان کے ہراول دستوں کا مورچہ دکھائیں۔ ان مدرسوں کے کس کس بچے کو ”جنت کی بشارت“ دے کر جان دینے اور جان لینے کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ ہم تو اتنے ڈرپوک ہیں یا دہشت زدہ ہو گئے ہیں کہ اپنے قاتل کو جانتے ہوئے بھی اسے ”جناب مولانا قاتل صاحب“ ”جناب مولوی دھماکہ صاحب“ ”جناب مولوی دشمنِ جاں صاحب“ کہہ کر پکارتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر صلح جوئی کی مثال کہاں ملے گی۔ ہماری حکومت کچھ مصلحتوں میں پھنسی ہوئی ہے، کچھ بیرونی دباؤ میں آئی ہوئی ہے اور کچھ سابقہ ناکامیوں کی ماری ہوئی ہے۔ آپریشن کرنے والی فورسز کو سمجھا دیتی ہے کہ ”ذرا بندہ کبندہ دیکھ کر گولی چلانا“ اب ایک مہینہ کی دن رات تگ و دو کے بعد لاکھوں بے گھر لوگ واپس جانے لگے ہیں۔ ہزاروں بھیڑیے مارے گئے۔ سینکڑوں فوجی شہید ہوئے جن کی لاشیں ان کے عزیزوں کو ”بصد آداب عسکری“ دفن کرنے کو کہا گیا، کتنے شرپسند مارے گئے، کتنے فوجی شہید ہوئے، کتنے جوان قربان

ہوئے، کتنے بے گناہ شہری مارے گئے، کس کس کو روئیں، کس کس کا حساب لیں، کس کس کا ماتم کریں، کس کس کے دامن سے اپنے آنسو پوچھیں۔

کس کس کی لیں خبر نہیں اپنی ہی جب خبر
دامن رفو کریں کہ گریباں رفو کریں

آج اپنے ملک عزیز کی حالت دیکھ کر رونا آتا ہے۔ پہلے ہم فوجی آمریت کا سیاپا کرتے تھے اب ''اپنی جمہوریت'' کے خلاف سینہ کوبی کر رہے ہیں۔ ایک طرف حکمرانوں کی شاہ خرچیوں کو دیکھتے ہیں، دوسری طرف ان کی بے بسی اور بے کسی پر رونا آتا ہے۔ ان کے ہاں عقیدت مند، ان کیوٹرز، ان کے سپوٹر دیواروں سے ٹکریں مارتے پھرتے ہیں۔ مگران حکمرانوں کے پاس کوئی علاج نہیں، کوئی تدبیر نہیں، جس سے آج کے سنگین مسائل کا حل ڈھونڈ سکیں۔ وہ لوگوں کو روتے دیکھتے ہیں، بلبلاتے دیکھتے ہیں، دھاڑیں مارتے دیکھتے ہیں، ننگی سڑکوں پر تڑپتے دیکھتے ہیں، پاگلوں کی طرح پتھر مارتے دیکھتے ہیں، سرکاری املاک کو آگ لگاتے دیکھتے ہیں مگر......

تک تک دیدم، دم نہ کشیدم!

کی تصویر بنے ہوئے ہیں۔ حکمرانوں کی پوری ٹولی وزیر اعظم ہاؤس میں جمع ہوتی ہے۔ پھر مل کر ایوان صدر میں چلے جاتے ہیں۔ باہر آ کر ٹی وی پر کھوئے کھوئے بیان دیتے ہیں اور عوام کو ''طفل تسلیاں'' دے کر گھر جا کر سو جاتے ہیں۔

ہائے ایسے بھی سیاست میں مقام آتے ہیں!

حکومت کے ایوانوں کی بے بسی دیکھ کر ہم اپنے دینی رہ نماؤں کی مجالس میں آتے ہیں۔ انھیں بکھرے بکھرے، ڈرے ڈرے، سہمے سہمے، کھوئی کھوئی ٹولیوں میں بٹے ہوئے پاتے ہیں۔ کہیں دہشت گردوں کی باتیں، کہیں طالبان کی باتیں، کہیں دیو کے بندوں کی حکایتیں اور کہیں ملک دشمنوں کی سازشیں نظر آتی ہیں۔ وہاں سے اٹھ کر خانقاہ نشینوں کے پاس جاتے ہیں۔ وہاں نہ کوئی ''دم درود'' کا عمل ہے۔ نہ ''ضرب حیدری'' ہے۔ نہ ''آہ نیم شبی'' ہے نہ ''سوز دروں''۔ حکومتی اور دینی رہ نماؤں کی مایوسیوں کو دیکھ کر اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھتے ہیں اور زبان سے فریاد نکلتی ہے۔

آہ جاتی ہے فلک پر رحم لانے کے لیے
بادلو ہٹ جاؤ دے دو راہ جانے کے لیے
خوار ہیں، بدکار ہیں، ڈوبے ہوئے ذلت میں ہیں
کچھ بھی ہیں لیکن تیرے محبوب کی امت سے ہیں
رحم کر اپنے نہ آئین کرم کو بھول جا
ہم تجھے بھولے ہیں، لیکن تو نہ ہم کو بھول جا

پاکستان میں بسنے والے سترہ کروڑ مسلمان موجودہ حالات میں اپنے اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں۔ **لاتقنطوا** کا دامن پھیلائے کھڑے ہیں۔ یا اللہ! ہمارے ملک کو، ہماری قوم کو، ہماری پاک سرزمین کو ان نااہل حکمرانوں، ملک کے ان غداروں اور ان دہشت گردوں سے محفوظ فرما۔ اپنے حبیب کی اس گنہگار امت کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی ہمت عطا فرما تا کہ وہ تیری دی ہوئی سرزمین کی حفاظت کر سکیں اور اس کو ''نظام مصطفیٰ'' کا گہوارہ بنا سکیں اور غیروں کی غلامی کو چھوڑ کر تیرے حبیب کے غلام بن جائیں۔

ہم اپنے قارئین کو اس خوشی میں شریک کرتے ہیں جب ہم دیکھتے ہیں کہ لاکھوں مسلمان اپنے گھروں کو لوٹ چکے ہیں، ہم ان بھیڑیوں کے جو ''طالبان'' کا لبادہ اوڑھ کر سوات اور مغربی قبائل میں گھس آتے تھے۔ اپنی لاشیں چھوڑ کر بھاگ جانے پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اپنے ان علمائے کرام کی اس ''حکمت عملی'' کی حمایت کرنا نہیں چاہتے جو کسی فوجی ایکشن کے برعکس اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے ان گرگ زادوں کو اپنا ہم نوا بنانا چاہتے ہیں مگر وہ یاد رکھیں!

عاقبت گرگ زادہ گرگ بود
گرچہ با ''مولوی'' بزرگ شود

ہمیں ان ''گرگ زاد مولویوں'' پر نظر رکھنی ہے جو پاکستان کی سرزمین کو دہشت گردی کے حوالے کرنا چاہتے ہیں۔ جو پاکستان کے پرامن شہریوں کو دربدر کرنا چاہتے ہیں۔ جو ہمارے بزرگوں کے مزارات کو دھماکوں کی نذر کرنا چاہتے ہیں۔ جو ہماری مساجد اور مدارس کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ مانا کہ وہ ''جہاد'' کر رہے ہیں۔ مانا کہ وہ ''شریعت کا نفاذ'' کر رہے ہیں۔ مانا کہ وہ نوجوانوں کو جنت کی ٹکٹیں بانٹ کر علما و مشائخ کو ٹارگٹ کلنگ کے حوالے کر رہے ہیں۔ مانا کہ وہ ''شرک و بدعت'' کو مٹانے کے لیے ''شیخ نجد'' کے حربے استعمال کر رہے ہیں۔ مگر ہم بتا دینا چاہتے ہیں کہ ہم غلامان رسول ہیں۔ یہ سرزمین ہم نے حاصل کی ہے۔ یہ ملک نظام مصطفیٰ کا گہوارہ بنانے کے لیے حاصل کیا گیا تھا۔ وہ اپنے صلح جو مولویوں کو بلا کر صلح کا معاہدہ کر لیں تو بہتر ہے۔ وہ اپنے صلح کے لیڈروں کو بٹھا کر ''معاہدۂ امن'' طے کریں اور پاکستان کے عوام کو پرامن زندگی بسر کرنے دیں۔ ورنہ ہم پاکستان کے امن کو برباد کرنے والوں کے ساتھ ہر گلی، ہر کوچہ، ہر قریہ، ہر قصبہ، ہر شہر اور ہر صوبہ میں جنگ کریں گے اور یہ بھیڑیے جن وادیوں سے نکل کر آئے ہیں وہاں تک ان کا تعاقب کریں گے۔ ان شاء اللہ۔ ☆☆☆☆☆

آئینۂ وطن

انصاف کو آواز دو انصاف کہاں ہے؟

محمد شاکر رضا مصباحی

اسلام کی آمد سے پہلے جہالت اپنے عروج کو پہنچ چکی تھی، ہر جگہ سے شرافت وتہذیب کے نشانات مٹ چکے تھے۔ انسان اور حیوان کے درمیان جو واضح فرق تھا وہ صدیوں سے غائب تھا۔ حیوانوں کی طرح انسان بھی نفسانی خواہشات کی تکمیل کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھتا تھا، تا آں کہ پروردگار عالم نے اپنے فیضان ربوبیت سے دنیائے انسانیت کو اپنے آخری نبی ورسول سے نوازا اور اس مسیحائے دین ودنیا نے شرافت واخلاق کے اقدار کو یوں بیان فرمایا:

''بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الاخلاقِ۔'' ''میں اس لیے بھیجا گیا تا کہ اخلاق کی بزرگیوں کو ان کے نقطۂ عروج پر پہنچا دوں، چناں چہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کی غرض وغایت کو پورا فرمایا اور جہالت کی تاریکی کو دور کر کے علم کا نور پھیلایا، لوگوں کو ظلم ووحشت کی عادتوں سے نکال کر عدل وتہذیب اور اخلاق وآداب کی اعلیٰ منزل پر پہنچایا۔

مگر اہلِ مغرب کو جسے موجودہ دور میں مادی ترقیات، سیاسی قوت، اقتصادی اور ٹیکنالوجی کی برتری کے باعث قیادت حاصل ہے، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صاف ستھری تعلیم پسند نہیں۔ وہ انسانوں کو ان کی فطرت وطبیعت کے برخلاف شترِ بے مہار دیکھنا چاہتے ہیں۔ چناں چہ انھوں نے اپنے یہاں بے حیائی اور بے شرمی کے اظہار کے ایسے ایسے طریقے ایجاد کیے جنھیں دیکھ کر انسان تو انسان جانور بھی شرمائے۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ اس طرح کی فحاشیوں اور برائیوں کے اظہار کے لیے مستقل قانون وضع کیے گئے اور قانون ہی کے تحت یہ برائیاں آج کھلے بندوں انجام پاتی ہیں۔

یورپ میں اسی طرح کا ایک قانون، قانونِ ہم جنسی ہے، جو اتفاقِ رائے سے دو بالغوں کے درمیان جنسی تعلقات پر مبنی ہے۔ اسے ہر مذہب میں لعنت کہا گیا ہے، اور یہ ایک ایسا غیر فطری عمل ہے جسے جانور تک بھی پسند نہیں کرتے۔ اس گھناؤنے جرم کے عام ہونے کی وجہ سے یورپ میں بدفعلی عام ہو گئی ہے، مجرموں کے حوصلے بلند ہو گئے ہیں۔ ہزاروں لاکھوں لوگوں کی جوانی برباد ہو گئی۔ کم سن نوجوان، خواہش پرستوں کی ہوس کا شکار ہو کر خطرات اور مصیبتوں میں مبتلا ہو گئے۔

اب تک اس بدترین اور گھناؤنے جرم کو صرف یورپ میں ہی قانونی جواز حاصل تھا، لیکن ایسا لگتا ہے کہ ہمارے ملک ہندوستان کی صاف ستھری تہذیب کو کسی بدنظر کی نظر بد لگ گئی اور لوگوں کو وہ دن بھی دیکھنا پڑا جو ''یوم سیاہ'' سے کم نہیں۔ چناں چہ چند سرپھرے لوگوں کی وجہ سے دہلی ہائی کورٹ نے بھی بڑے زور وشور کے ساتھ ہم جنس پرستی کو جائز قرار دے دیا، ہائی کورٹ کا فیصلہ سنتے ہی آزاد مزاج لوگوں نے سڑکوں اور بازاروں میں بلکہ پردۂ سیمیں پر اس کا جشن منایا۔ تقریر وتحریر کے ذریعہ اس کی زبردست حمایت کی اور ابھی تک اس کا سلسلہ جاری ہے۔ میں اپنی اس تحریر سے ان آزاد مزاج لوگوں کو دعوت غور وفکر دوں گا، کیا یہ فیصلہ صحت پر مبنی ہے؟ کیا اس فیصلے سے پورے ملک کا مستقبل داؤ پر نہ لگ گیا؟ اس خلاف فطرت عمل کو قانونی جامہ پہنانے پر تمام مذاہب کے سرکردہ افراد، سیاسی رہ نماؤں اور ہندو قوم پرست حلقوں سمیت ملک کے نوجوانوں نے بھی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔

ابھی تک برسر اقتدار پارٹی یو. پی. اے. کا کوئی واضح بیان اس سلسلے میں سامنے نہیں آیا ہے۔ پارٹی کے ارکان زبردست انتشار کے شکار ہیں۔ قوم، حکمراں پارٹی کی طرف منہ تک رہی ہے۔ خدا نہ کرے اگر اس فیصلے کو برقرار رکھا گیا تو اس ملک کے باشندوں کو ان ہی مسائل سے نبرد آزما ہونا پڑے گا جن کا سامنا یورپی باشندے کر رہے ہیں۔ نہایت تعجب کی بات ہے کہ عدل وانصاف کے اہم اور اعلیٰ عہدہ پر فائز حضرات کی جانب سے ایسے ناعاقبت اندیش اور تباہ کن فیصلے ہونے لگے ہیں جو نہ صرف عدلیہ کے وقار کو ٹھیس پہنچا رہے ہیں بلکہ ملک کی عزت کے لیے بھی بدنما داغ ہیں۔

ایک طالب علم اپنے مذہبی عقائد پر عمل کرتے ہوئے داڑھی رکھتا ہے تو اسے اسکول میں داخل ہونے سے روکا جاتا ہے اور عدالت سے رجوع ہونے پر انصاف کی کرسی پر بیٹھنے والے کو یہ ''طالبانی جرم'' نظر آتا ہے۔ لیکن کمسن نوجوان، خواہش پرستوں کی ہوس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایک باپ اپنی بیٹی کو اپنی ہوس ناک درندگی کا نشانہ بناتا ہے۔ ایک عورت اپنے بیٹے سے کہتی ہے، خوش ہو جاؤ تم بیک وقت بھائی بھی بن گئے اور باپ بھی۔ خواتین ٹیلی ویژن پر اپنی زندگی کے جنسی واقعات کو برملا بیان کریں، جنسی خواہشات کا اظہار کریں، عریاں تصویریں دیں، فواحش اور برائیوں کو سرعام انجام دیں، تو عدل وانصاف کی کرسی پر بیٹھنے والوں کی نظر میں یہ کوئی جرم اور قباحت کی بات نہیں۔ ☆☆☆

اردو نثر کے عصری اسالیب اور اسلامی ادب

''بزمِ دانش'' میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم ارباب قلم اور علماے اسلام کو آواز دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ **از: مبارک حسین مصباحی**

دسمبر 2009ء کا عنوان　ہندوستان میں اقلیتوں کے مسائل- اسباب و تدارک

جنوری 2010ء کا عنوان　ادبی تنقید کا اسلامی نقطۂ نظر

......ہر تہذیب کو اپنے ادبی اسلوب میں منعکس ہونے کا حق ہے......

ابن فرید کے مطابق: لفظ کے بارے میں ایک نظریہ یہ ہے کہ یہ اصلاً بے معنی ہوتا ہے۔ (لسانیات)

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ لفظ ایک بامعنی علامت ہے۔ (نفسیات و عمرانیات)

لطف کی بات یہ ہے کہ یہ دونوں متخالف و متضاد نظریے صحیح ہیں۔ لفظ اپنی مجرد حیثیت میں واقعی بے معنی ہے لیکن جب لفظ کو اس کے ماحولیاتی سیاق میں رکھ کر غور کیا جائے تو وہ بے معنی نہیں رہتا، ہر کلمہ، فقرہ، یا جملہ اپنی معاشرتی جڑیں رکھتا ہے اور ہر آواز ثقافتی آہنگ کے ذریعہ صورت کا پیکر اختیار کرتی ہے۔ اگر ہم زبان کے ابتدائی تشکیلی دور پر نظر کریں تو ہمیں اعتراف کرنا پڑے گا کہ صوت پر شے کو تقدیم حاصل رہی ہے۔ پہلے انسان کے سامنے شے مسئلہ بن کر آئی، اس کے بعد اس نے مطالبہ کیا کہ اسے نام دیا جائے۔ یہ نام ان صوتی مطابقتوں کا حامل ہوتا ہے جو اسے مروجہ زبان سے ہم آہنگ کر دیتی ہیں۔ یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ لفظ کو آخر معنی کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ معنی انسان کی اہم ترین ضرورت ہے، اس سے اس کی بنیادی حیاتی ضرورتیں تک وابستہ ہوتی ہیں۔ اشرف المخلوقات ہونے کی وجہ سے اس کے اساسی تقاضے بھی پیچیدہ تر ہوتے ہیں، کیوں کہ عرفِ عام میں وہ ''معاشرتی حیوان'' ہے اور اپنی ہر ضرورت کی تکمیل کے لیے دوسروں کے تعاون کا محتاج بن جاتا ہے۔ ''معاشرتی حیوان'' کے ساتھ ساتھ وہ حیوانِ ناطق بھی ہے۔ یہ دوسری صفت اس کی اس منفرد صلاحیت کی نشان دہی کرتی ہے کہ وہ اپنے نطق کے ذریعہ دوسرے افراد کے ساتھ ربط قائم کر سکتا ہے۔ اس کا یہ ربط صرف گویائی تک محدود نہیں ہوتا، بلکہ اس کے پسِ پردہ تجربہ، تاثر، احساس، جذبہ، خیال، تصور اور فکر کے تسلسل کی بھی غمازی کرتا ہے۔

دوسروں کو اپنے ربط میں لانے اور ان پر باطن کو آشکار کرنے کے لیے اسے وسائل کی ضرورت ہوتی ہے، جو صرف حرف و صوت تک محدود نہیں ہوتے بلکہ فوقِ لسان (Para Language) بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً جب ہم بات کرتے ہیں تو صرف بولتے ہی نہیں بلکہ ہماری آواز بھی بلند و پست ہوتی رہتی ہے، ہمارے لبوں کے زاویے ایک ہی لفظ کے لیے موقع بموقع بدلتے رہتے ہیں، ہمارے ابرو جنبش کرتے ہیں، ہم شانوں کو حرکت دیتے ہیں، ہمارے ہاتھ چلتے ہیں اور ہم اپنی انگلیوں سے اشارہ بھی کرتے ہیں۔ اگر گفتگو کھڑے کھڑے کی جا رہی ہو تو ہم اپنی وضع (Posture) بدلتے رہتے ہیں۔ رابطے کے یہ طریقے جو زبان کے استعمال سے عاری ہوتے ہیں، اداے مطلب میں غیر معمولی طور پر ممد و معاون ہوتے ہیں۔ لیکن جب وسیلۂ گویائی بھی نہ ہو، صرف تحریر ہو تو مرسل (Communicator) تمام دوسرے وسائل سے محروم ہو جاتا

ہے اور اسے ساری اثر انگیزی کو الفاظ کے پیکر میں ڈھالنا پڑتا ہے۔ (ابن فرید۔ ترسیل ابلاغ اور تفاہم۔ ماہنامہ شاعر۔ ہم عصر اردو ادب نمبر، ص:۱۶۳)

اظہار کی یہ جامعیت تحریر کو فنی و ادبی جامعیت عطا کرنے کی موجب ہوتی ہے اور اسی کے ساتھ زبان کے مختلف اسالیب عالمِ وجود میں آتے ہیں۔ زبان کا بنیادی مقصد اداے مطلب اور ترسیلِ ابلاغ ہے۔ اپنے اس مقصد کے حصول کے لیے زبان مختلف اسالیب اختیار کرتی ہے، جن میں تین اسالیب کو بنیادی اہمیت حاصل ہے:

(۱) اطلاعی اسلوب Informative Style　(۲) ہدایتی اسلوب Directive Style

(۳) اظہاری اسلوب Exprssive Style

ان اسالیب سے زبان مختلف کام لیتی ہے۔ زبان کا ایک نہایت اہم فریضہ اطلاع رسانی (Communication of Information) ہے۔ یہ اطلاع قاری یا سامع تک اثبات میں بھی پہنچائی جا سکتی ہے اور نفی میں بھی۔ زبان کا استعمال جب اثبات و نفی کے لیے کیا جائے، یا جب اس کے ذریعہ استدلال پیش کیے جائیں تو یہ زبان کا اطلاعی اسلوب کہلائے گا۔ اطلاع کا لفظ یہاں خالص اپنے لغوی معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی سامع یا قاری کو کسی بات کی اطلاع (Information) بہم پہنچانا یا کسی بات سے مطلع کرنا۔ یہ اطلاع غلط بھی ہو سکتی ہے اور صحیح بھی۔ اسی طرح دلائل بھی صحیح اور غلط ہو سکتے ہیں۔ اطلاعی اسلوب بیانیہ ہوتا ہے۔ اس کا مطلب محض بیانِ واقعہ یا Reporting ہے۔ مذہبی، سماجی اور سائنسی علوم کی زبان اطلاعی اسلوب کی بہترین مثال ہے۔ اسی طرح غیر افسانوی نثر میں بھی اطلاعی اسلوب کے بہت اچھے نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں۔

ہمارے اسلامی ادب کے معماروں نے عموماً اطلاعی اسلوب یعنی بیانیہ اندازِ تحریر سے کام لیا ہے۔ کیوں کہ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو جو مذہبی پیغام وہ لوگوں تک پہنچانا چاہتے تھے، وہ شاید نہیں پہنچا سکتے تھے۔ اطلاعی اسلوب لسانی اعتبار سے سادہ بھی ہو سکتا ہے اور مشکل اور پیچیدہ بھی۔ رسمی بھی ہو سکتا ہے اور غیر رسمی بھی، جامد بھی ہو سکتا ہے اور متحرک بھی۔

اطلاعی اسلوب کے بعد زبان کا دوسرا بنیادی اسلوب ''ہدایتی اسلوب'' ہے۔ یہ اسلوب اس وقت اختیار کیا جاتا ہے جب کسی فعل کو سرانجام دینے کی ہدایت (Direction) دی جاتی ہے یا کسی عمل سے باز رکھنا مقصود ہوتا ہے۔ ہدایتی اسلوب کی بہترین مثالیں حکم اور استدعا کے لیے استعمال کی جانے والی زبان میں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ ایسے اسلوب میں فعلِ امر و نہی کے صیغوں اور امر تعظیمی کا استعمال زیادہ ہوتا ہے۔ حکم اور استدعا دونوں ہی ہدایتی اسلوب کی شکلیں ہیں۔ امر تعظیمی کے استعمال اور ''تم'' کی جگہ ''آپ'' کے استعمال سے حکم کو استدعا میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ ہدایتی اسلوب پر تکلف اور رسمی بھی ہو سکتا ہے اور بے تکلفانہ اور غیر رسمی بھی۔

زبان کا تیسرا بنیادی اسلوب ''اظہاری اسلوب'' ہے۔ جس طرح سائنس کی زبان اطلاعی اسلوب کی بہترین مثال ہے، اسی طرح شاعری اظہاری اسلوب کی مثال پیش کرتی ہے۔ اظہاری اسلوب کے ذریعہ شاعر اطلاع رسانی یا معلومات کی ترسیل کا کام انجام نہیں دیتا بلکہ جذبات اور احساسات کی ترجمانی اس کا اصل مقصد ہوتا ہے۔ شاعر اس لیے شعر تخلیق نہیں کرتا کہ وہ معلومات کا خزانہ قاری کو دینا چاہتا ہے یا کوئی اطلاع بہم پہنچانا چاہتا ہے، بلکہ اس لیے کہ وہ اپنے داخلی جذبے اور تاثر کو پیش کر سکے، اور اگر ہو سکے تو وہی جذبہ اور تاثر وہ قاری کے اندر بھی پیدا کر سکے۔ زبان سے جب داخلی تاثرات، جذبات اور احساسات کی ترجمانی کا کام لیا جاتا ہے تو یہ زبان کا اظہاری استعمال کہلاتا ہے۔ اظہاری اسلوب کی شکل کا تعلق صرف شاعری ہی سے نہیں بلکہ نثر میں خصوصاً افسانوں اور ناولوں میں بھی یہ اسلوب برتا جاتا ہے۔

اطلاعی، ہدایتی اور اظہاری یہ تینوں اسالیب دراصل زبان کے تین Function (مناج) ہیں لیکن جب زبان ان Functions کے لیے استعمال کی جاتی ہے تو یہ اسالیب کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، کیوں کہ ان تینوں اسالیب میں زبان کا استعمال جداگانہ ہوتا ہے۔

اب ہم ان مذکورہ اسالیب کے پیشِ نظر اسلامی ادب کی چند معروف کتابوں پر بحث کرنا چاہتے ہیں۔ سب سے پہلے چلتے ہیں فقہ حنفی کے مستند انسائیکلو پیڈیا ''فتاویٰ رضویہ'' کی طرف۔ اپنے موضوع کی یہ مستند ترین کتاب بلند آہنگی، شان و شکوہ، علمی وقار اور پاکیزگی کے ساتھ ساتھ ایک ادبی حسن اور جمالیاتی کشش کی بھی حامل ہے۔ ''فتاویٰ رضویہ'' استدلالی اسلوبِ نگارش میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے زبان کے اطلاعی، ہدایتی اور اظہاری تینوں اسالیب سے کام لیا ہے۔ بحیثیت مجموعی اعلیٰ حضرت کا اسلوب اردو کے بنیادی اسلوب سے انحراف کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے، یہی ان کے اسلوب کی امتیازی شان ہے اور اسی میں ان کی انفرادیت کا راز ہے۔ آپ نے جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا، اپنی انفرادیت کو برقرار رکھا۔ جس طرح کا موضوع ہوتا ویسا ہی اسلوب اختیار کرتے۔ مذہبی امور پر لکھا جانے والا مقالہ عالمانہ ہوتا، جب کوئی تحقیق پیش کرتے تو محقق کی شان برقرار رکھتے۔ غرض کہ جس طرح کے مضامین لکھتے اپنی انفرادیت کی چھاپ ضرور چھوڑ جاتے۔ پیچیدہ سے پیچیدہ اور خشک سے خشک مضامین میں بھی ان کی نثری دل آویزی قائم رہتی ہے۔ مختصر یہ کہ اسلوب کی انفرادیت کا راز ان کی شخصیت، علم اور احساس کی انفرادیت میں مضمر ہے۔ انھوں نے اکیلے اردو نثر کو جتنے اسالیب دیے، شاید ہی کسی اور نے اتنے اسالیب دیے ہوں۔

اعلیٰ حضرت عربی کے متبحر اور فارسی کے جید عالم تھے، بلکہ عربی تو ان کے لیے مادری زبان جیسی تھی، لہٰذا وہ عربی اور فارسی سے کسی طرح صرفِ نظر نہیں کر سکتے تھے۔ انھوں نے اپنی تحریروں میں ان زبانوں سے خاطر خواہ استفادہ کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عربی فارسی زبانوں سے گہرے اخذ و استفادے میں ان کے نزدیک اظہاری سہولت مدنظر رہی ہوگی۔ لیکن اس سے ان کے اسلوب کی امتیازی شان اور ان کی شخصیت کے انوکھے پن کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اردو میں کسی سنجیدہ یا علمی موضوع پر اظہارِ خیال کے لیے عربی فارسی کا سہارا ازبس ضروری ہے اور مذہبی مسائل و مباحث اور استدلال کے لیے ان زبانوں کا سہارا اور بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے ترجمۂ قرآن "کنز الایمان" کے ساتھ شامل حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ کی تفسیر کی زبان بھی تینوں بنیادی اسالیب کا نادر نمونہ ہے۔

سیرت نگاری کوئی انسانی کمال نہیں بلکہ یہ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں شرفِ قبولیت ہے۔ یہ وہ خوش بختی ہے، جس پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ایک نعتیہ شعر کا مطلب ہے، "لوگ اگر مجھ سے محبت کرتے ہیں تو اس لیے کہ میں نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا ہے۔ لوگوں میں اگر کہیں میرا تذکرہ ہے تو فقط اس واسطے کہ میں نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تحریر کرنے کا اعزاز حاصل کیا ہے۔ جب تک سازِ حیات بجتا رہے اس کے تاروں سے محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نغمے ہی سنائی دیں۔"

ضیاء الامت پیر کرم شاہ ازہری، جنھوں نے سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک منفرد انداز میں قلم اٹھایا ہے۔ آپ کو عربی، فارسی اور اردو میں یکساں قدرت حاصل ہے۔ آپ نہ صرف مایہ ناز عالمِ دین، مفسرِ قرآن، علومِ جدیدہ و قدیمہ کے ماہر بلکہ تفقہ فی الدین میں کافی مہارت رکھتے ہیں۔ آپ کی معرکہ آرا تصنیف "ضیاء القرآن" اہلِ علم سے خراجِ تحسین وصول کر رہی ہے۔ فتنۂ انکارِ حدیث و سنت کے رد میں آپ کی شاہ کار تصنیف "سنتِ خیر الانام" بھی نمایاں مقام کی حامل ہے۔

قبل اس کے کہ ہم عصرِ حاضر کی جدید اسلوب کی حامل منفرد تصنیف لطیف "ضیاء النبی" کی امتیازی اور تقابلی خصوصیات کا احاطہ کریں، مناسب یہ ہوگا کہ اب تک اردو سیرت نگاری کے رجحانات و اسلوب پر ایک اجمالی نظر ڈالی جائے۔ اب تک اردو ادبِ سیرت میں مندرجہ ذیل پہلوؤں اور رجحانات کے حوالوں سے کام ہوا ہے۔

(۱) سیرت نگاری بہ اسلوب دائرۃ المعارف۔
(۲) سیرت نگاری بہ اسلوب سوانح بہ ترتیب زمانی۔
(۳) سیرت نگاری بہ اسلوب شمائل و اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔
(۴) سیرت نگاری بہ اسلوبِ متعلقاتِ سیرت۔
(۵) سیرت نگاری بہ اسلوب ادب و انشا۔

ان تمام رجحانات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اگر ضیاء النبی کے اسلوب و منہج کو دیکھا جائے تو یہ تمام رجحانات و مناہج کی جامع کتاب ہے۔ مثلاً کتاب کی پہلی جلد دائرۃ المعارف کے اسلوب پر لکھی گئی ہے۔ دوسری سے چوتھی جلد تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و واقعات کو تاریخ نویسی کے انداز پر مستند ماخذ کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے۔ پانچویں جلد مکمل طور پر شمائل نبوی پر مشتمل ہے۔ چھٹی اور ساتویں جلد سیرت کے موضوعاتی اسلوب کی حامل ہے۔ جہاں تک سیرت نگاری کے ادبی اسلوب کا تعلق ہے تو یہ پہلو نہ صرف پوری کتاب میں نمایاں ہے بلکہ حرف حرف اور سطر سطر ادبی چاشنی سے بھرپور ہے۔ ان رجحانات سے بڑھ کر ایک اہم پہلو سیرت نگاری کے جمالیاتی و تجزیاتی اسلوب کا ہے، جو ابھی تک کتبِ سیرت میں مفقود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ سیرت کے ساتھ ساتھ حسنِ صورت کی بھی عکاسی ہے۔ سیرت کے کسی

واقعہ کے ظاہری پہلو کے ساتھ ساتھ باطنی خوبیوں کا بھی تذکرہ ہے اور ساتھ ہی محبت و اطاعت اور عشقِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے معمور قلم جب رواں ہوتا ہے تو اس روانی میں مصنف کے ساتھ قاری بھی بہتا ہے اور ذوق و شوق کی دنیا آباد ہوتی ہے۔

آپ کے اسلوبِ نگارش کے چند نمونے مندرجہ ذیل ہیں۔ بیانِ ہجرت کے باب میں رقم طراز ہیں:

"آخر جمعۃ المبارک کی وہ صبح صادق طلوع ہوئی۔ ہر طرف نور ہی نور پھیل رہا تھا، ہر طرف اجالا ہی اجالا انسانیت کی شبِ تاریک کو روزِ روشن میں بدل رہا تھا، اندھیروں کا طلسم ٹوٹ رہا تھا۔ اس نیرِ اعظم کی نورانی شعاعوں کی ہیبت سے ہر نوع کی تاریکیوں پر لرزہ طاری تھا۔ ویسے تو ہر صبح کی روشنی زمین کے گوشہ گوشہ کو منور کرتی رہتی ہے، لیکن آج کی صبح نرالی صبح تھی۔ اس کے اجالوں میں اتنی شوخی تھی کہ کوئی تاب نہ لا سکتا تھا۔"

اور مدینہ میں داخل ہونے کی منظر کشی ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"کیا سہانا منظر ہوگا، غریب پرور اور دل نواز آقا کی سواری آگے بڑھ رہی ہے، سراپا خلوص و ایثار غلاموں کا جمِ غفیر اپنے آقا کے گرد حلقہ باندھے ہے۔ سارے راستے اور گلیاں بھری ہوئی ہیں۔ مکانوں کے صحن اور ان کی ساری چھتوں پر خواتین سراپا انتظار ہیں۔"

پیر کرم شاہ ازہری کی یہ لازوال کتاب اردو کے بنیادی اسالیب سے ہم آہنگ ہے بلکہ اردو کے تمام بنیادی اسالیب کا مجموعہ ہوتے ہوئے بھی ایک جداگانہ اسلوب کی حامل ہے۔ اس میں بالخصوص اظہاری اور اطلاعی اسلوب کی آمیزش ہے۔

اظہاری اسلوب کی ایک اور لازوال تصنیف "لالہ زار" ہے۔ علامہ ارشد القادری کے قلم سے نکلی ہوئی عشق و ایمان کی حرارت سے دلوں کو پگھلا دینے والی کہانیوں کا یہ مجموعہ "اسلامی افسانوی ادب" کا شاہ کار ہیں۔ "لالہ زار" کی نثر ادبی مرقع کاری اور رنگینیِ عبارت کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس کے علاوہ لفظی رعایات و مناسبات فقروں کی صوتی در و بست، جملوں کی متوازن ترکیب و ترتیب، اظہار کے بدلے ہوئے پیرائے نت نئے تلازمات اور نادر ترکیبات نے اس کی دل آویزی اور دل کشی میں اور بھی اضافہ کر دیا ہے۔ ایک مثال ملاحظہ ہو:

"صبح ہوتے ہوتے اس کے آنسوؤں کا طوفان تھم گیا۔ سجدے سے سر اٹھایا تو پیشانی کے افق پر یقین کا اجالا چمک رہا تھا۔ شاید رحمت بندہ نواز کی کوئی غیر محسوس تجلی دل کے ویرانے میں اتر آئی تھی۔ ایک اٹوٹ عزم کا تیور لیے فقیر اٹھا اور کاندھے پر تیشہ رکھ کر آبادیوں سے باہر نکل آیا۔ عالمِ وحشت میں شبانہ روز چلتا رہا۔ اسے اپنی منزل خود نہیں معلوم تھی۔ دل کے غیبی سگنل پر قدم آگے بڑھ رہے تھے۔ خدا کی اس وسیع کائنات میں اسے صرف سیاہ رنگ کے ہیرے کا ایک چمکتا ہوا نگینہ مطلوب تھا۔" (لالہ زار، ص: ۳۲۷)

"لالہ زار" کے بعض نثر پارے قاری کو ایک مخصوص جمالیاتی تجربے کا احساس دلاتے ہیں۔ مندرجہ ذیل اقتباس دیکھیے:

"عشق و ایمان کی روح اس کے وجود کی رگ رگ میں اس طرح رچ بس گئی ہے کہ اپنے محبوب کی شوکتِ جمال کے لیے وہ ہر وقت بے چین رہتا ہے۔ غمِ عشق میں سلگتی ہوئی اس کے جگر کی آگ کبھی بجھتی نہیں، اس کے دل کا دھواں کبھی نہیں بند ہوتا اور نقش و نگارِ جاناں کے لیے اس کے قلم دان کی روشنائی کبھی نہیں سوکھتی۔ پلکوں کا ایک قطرہ ڈھلکنے نہیں پاتا کہ اس کی جگہ آنسوؤں کا ایک نیا طوفان امنڈنے لگتا ہے۔ وہ اپنے محبوب کے وفاداروں پر اس درجہ مہربان ہے کہ قدموں کے نیچے دل بچھا کر بھی وہ اہتمامِ شوق کی تشنگی محسوس کرتا ہے۔" (لالہ زار، ص: ۱۲۷)

پروفیسر محمد مسعود احمد مجددی کا شمار ان ادیبوں میں ہوتا ہے جو اپنی قابلِ قدر تصانیف اور اپنے دینی، علمی اور ادبی کارہائے نمایاں کے سبب جانے پہچانے جاتے ہیں۔ مختلف موضوعات پر ان کی تصانیف شوق اور توجہ سے پڑھی جاتی ہیں۔ ان کی تصانیف کی تعداد سو سے زائد ہے جن میں چالیس کتابوں کے ترجمے دوسری زبانوں میں شائع ہو کر دنیا کے مختلف ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں۔

مظفر پور یونیورسٹی (بہار) کے صدر شعبۂ اردو ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی رقم طراز ہیں:

"اربابِ نظر کا تقریباً متفقہ فیصلہ ہے کہ اچھی نثر کا لکھنا جتنا دشوار ہے، صاحبِ طرز ہونا اس کی بہ نسبت دشوار تر ہے، انہیں دشواریوں کی وجہ سے کسی زبان کے لکھنے والوں میں صاحبِ طرز ادیبوں کی تعداد کم ہوتی ہے۔ طرز یا اسلوب، تراوشِ قلم میں فن کار کی شخصیت کے رچاؤ کا نام ہے، یہ رچاؤ خود نہیں پیدا ہوتا، اس کے لیے منفرد مطمحِ نظر، فکرِ رسا اور پختگیِ مشق ضروری ہے۔ یہ تین عناصر کسی انشا پرداز کو یگانہ و ممتاز بنانے کا سبب بن سکتے ہیں۔ ڈاکٹر مسعود احمد کی شخصیت میں یہ تینوں عناصر بدرجۂ اتم موجود ہیں اس لیے ان کو بلا تکلف ایک صاحبِ طرز ادیب کہا جا سکتا ہے۔"

پروفیسر مسعود احمد، دانش ور، مفکر، محقق، ادیب اور نقاد بھی کچھ ہیں۔ انہوں نے اردو کو مذہبیات و دینی علوم وفنون، اخلاقیات، تاریخ، سیاست، عمرانیات، معاشیات اور شعر وادب وغیرہ بھانت بھانت موضوعات کے جہانوں کی سیر کرائی ہے اور مختلف علوم وفنون کو تحقیق وتنقید کی نئی نئی جہتوں سے آشنا کیا ہے۔ آپ کی تصانیف کا علمی سرمایہ تاریخ علم وادب میں ایک گراں قدر سرمایہ ہے۔ آپ نے جن موضوعات وعنوانات پر مقالات یا مضامین تحریر کیے ہیں ان میں قرآن، حدیث وفقہ، سوانح، سیرت، اخلاقیات، ادب، شخصیات، تصوف، اقبالیات، فلسفہ، تاثرات، نفسیات اور سیاسیات وغیرہ شامل ہیں۔

ڈاکٹر مسعود احمد کے اسلوب نگارش اور طرز بیان کے متعلق ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی ایک مضمون میں رقم طراز ہیں:

''آپ کا اسلوب اور انداز بیان موضوع اور موقع محل کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے لیکن جو بات قدر مشترک رہتی ہے وہ لطف مطالعہ کی کیفیت اور تحریر کی دل کشی...... لہٰذا وہ فقہ، تفسیر، حدیث اور قرآن وغیرہ سے متعلق موضوعات ومضامین پر قلم اٹھاتے ہیں تو ہر موضوع کا فطری اسلوب اپناتے ہیں لیکن جہاں خیالات کے اظہار کا موقع میسر آتا ہے وہاں تحریر کی دل کشی چمک اٹھتی ہے اور ادب وانشا کے جلوے دکھانے سے باز نہیں آتے۔ روزمرہ اور گردو پیش کی زندگی سے ڈاکٹر مسعود احمد نے فن انشائیہ کو آراستہ کیا ہے ان کے انشائیوں میں زندگی اور سماج کی تنقید ایک غالب رجحان کی حیثیت رکھتی ہے ان کے یہاں مزاح کی کمی ہے البتہ طنز کا بڑا لطیف انداز موجود ہے۔ ان کے انشائیے دھنک رنگ ہوتے ہیں اور خوبی یہ ہے کہ ابتدا سے انتہا تک قاری کی دل چسپی برقرار رہتی ہے۔ ان کے فن میں بڑی پختگی ہے، کتاب ''موجِ خیال'' ڈاکٹر مسعود احمد کی نثر اور ان کے خیال کا ایک نگار خانہ ہے، بھانت بھانت کے سیاسی، سماجی اخلاقی مضامین وموضوعات کو جس طرح ڈاکٹر مسعود احمد نے پیش کیا ہے وہ ان کی مفکرانہ شان کا غماز ہے۔ یہ کتاب ڈاکٹر مسعود احمد کی نثر نگاری خصوصاً ان کی انشائیہ نگاری کا بہت ہی اچھا نمونہ ہے۔''

آپ کا شمار بھی ایسے باکمال ادبا میں ہوتا ہے جن کی اسلوبی انفرادیت تمام تصانیف میں یکساں طور پر پائی جاتی ہے۔ آپ نے اپنی تمام تصانیف میں الفاظ کی نشست وبرخاست اور حسن استعمال، فقروں اور جملوں کی ترکیب وترتیب اور ان کے درمیان فن کارانہ ربط، ہم آہنگی اور توازن کا لحاظ رکھا ہے۔ آپ نے اپنی تصانیف میں اردو کے تمام بنیادی اسالیب کو اختیار کیا ہے۔ آپ کی تصنیف ''محبت کی نشانی'' سے اظہاری اسلوب کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

''جس طرح کشش ثقل سے نظام عالم برقرار ہے، اسی طرح محبت کی کشش سے عالمِ انسانیت قائم ودائم ہے۔ مثالی معاشرے کے لیے ضروری ہے کہ قلب ونظر کا ایک اور صرف ایک مرکز ہو۔ وہی ایک جس کی نظیر نہیں، وہی ایک جس کی مثال نہیں، ماضی میں، نہ حال میں اور نہ مستقبل میں۔ جو اس ایک سے وابستہ ہو گیا، وہ دردر کی ٹھوکروں سے آزاد ہو گیا۔ یہ وہی تو ایک ہے کہ جب دنیا والے اس کو ٹھکرا رہے تھے تو اس کا مولا اس کو آفتابِ عالم تاب بنا رہا تھا۔ ہاں! وہ افقِ عالم سے آفتابِ ہدایت بن کر ابھرا اور دیکھتے ہی دیکھتے سارے عالم پر چھا گیا اور آن کی آن میں گرتی ہوئی قوم کو اس بلندی پر لے گیا کہ سارے عالم نے اس کو ابھرتے، چڑھتے اور سرفراز ہوتے دیکھا۔ ہمارے دلوں میں وہی تھا مگر اب کیا ہو گیا؟ خلوت خانۂ دل میں سب ہی ہیں مگر وہ نہیں۔ تو آؤ خانۂ دل کو صاف کریں اور اس کو بسائیں جو بسانے کے قابل ہے۔ یہ وہی ہے جس کی خوشبو سے دو عالم کی فضائیں مہکتی تھیں۔ یہ وہی ہے جس نے ڈوبتی دنیا کو سہارا دیا۔ یہ وہی ہے جس نے اندھیروں میں اجالا کیا، یہ وہی ہے جس نے جاں بلب انسانیت کو زندگی بخشی۔'' (محبت کی نشانی، ص: ۱۲-۱۳، مطبوعہ کراچی)

آخر میں ہم اسلامی ادب اور عصری رجحانات کے متعلق پیش رفت دہلی کے حوالے سے ایک فیصلہ کن اقتباس نقل کرتے ہیں:

''ہر خیال اپنے ساتھ خود الفاظ لاتا ہے اور ہر خیال کو ادا کرنے کے لیے سب سے زیادہ موزوں وہی الفاظ ہوتے ہیں جو اس خیال کے ساتھ خود بخود چلے آتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں صرف مضمون سوچنا چاہیے، باقی رہے الفاظ، وہ آپ ہی آپ مضمون کے ساتھ چلے آئیں گے۔ گویا خیالات کو فنی تخلیق کے مرحلہ میں اولیت حاصل ہے۔ خیالات اسی وقت انسانی ذہن پر گہرا اور پائدار اثر ڈالتے ہیں، جب ان میں ابتذال نہ ہو، ان میں اپج ہو اور زبان جو استعمال کی جائے وہ عام فہم ہو، خیالات میں پختگی اور گہرائی ہو، ادیب میں خلوص ہو، الفاظ اور احساسات وخیالات میں مطابقت ہو۔ ادیب کے ادب میں دل کشی اور گداز اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ اس کی زندگی اس کے خیالات کے مطابق ہو۔ سیرت وکردار ہی بیان وقلم میں زور پیدا کرتا ہے، کردار کے بغیر گفتار بے اصل چیز ہے۔ اسلامی ادب کے اہلِ قلم نے انھیں بنیادی تصورات کی روشنی میں اس عہد کے ان

نظریہ سازوں اور فن کاروں کے مسموم اثرات سے نئی نسل کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی ہے جو ادب کو بازیچۂ اطفال بنانے پر آمادہ رہے ہیں۔ اس وقت اچھے اچھے ہنر مند قلم کار اس فکری طلسم کے اسیر نظر آتے ہیں کہ ادب کی بنیادی اہمیت وضرورت ادبی حیثیت سے قائم ہوتی ہے اور شاعر وادیب کا بنیادی حق اور فرض ادبی اظہار ہے، خواہ خیالات کچھ بھی ہوں۔ وہ ایلیٹ کی اس رائے کا مذاق اڑاتے ہیں کہ ادبی معیار سے جانچنے کے علاوہ کہ کوئی متن بڑا ادب ہے یا نہیں کچھ اور معیار بھی لانے پڑیں گے۔ غیر ادبی معیار سے اس کی مراد مذہب وفلسفہ ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ادبی تخلیق کے رتبہ کا اندازہ لگانے کے لیے صاحب قلم کی شخصیت، اس کے عقائد، تہذیبی تصورات، نظریات ومعتقدات کو بیچ میں نہ لایا جائے۔ لطف ہے کہ یہی لوگ فرماتے ہیں ہر تہذیب کو اپنے ادبی اسلوب میں منعکس ہونے کا حق ہے۔ اور انھیں یہ بھی شکوہ ہے کہ مغربی ادب وتہذیب نے ہمارے مشرقی ادب اور کلاسیکی سرمایہ کو نقصان پہنچایا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اسلامی ادب کے اہلِ قلم نے اپنے نظریہ کو اپنی ادبی تخلیقات کے لیے بوجھ نہیں بنایا بلکہ یہ ان کی شخصیت کا حصہ بن کر ادب میں کچھ اس طرح داخل ہوا کہ ان کی کاوشوں کے لیے روحِ رواں بن گیا۔ آج نسل انسانی جن آزمائشوں اور الجھنوں میں مبتلا ہے، اسے اپنے درد کا درمان اور ذہن کی آسودگی کا سامان مطلوب ہے۔ ادب کو محض تفریح طبع کا سامان بنانا دراصل اپنے ماحول، اپنے عہد اور اپنے معاشرے کے ساتھ زیادتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ ماضی میں ادب اور نظریہ کے حامیوں میں کچھ لوگوں نے ادب کو محض پروپیگنڈہ اور نعرہ بازی بنانے کی کوشش کی۔ اسلام کی روشن روایات، اعتدال وتوازن کے حامل اہل قلم نے فکر اور نظریہ کو اپنی زندگی کا نغمہ اور اپنے جہد وعمل کا آہنگ بنا کر پیش کیا۔ چناں چہ گزشتہ پچاس سال کے ادبی سرمایہ میں فنی اعتبار سے گراں قدر تخلیقات شامل ہیں۔'' (Urdudunia.net)

......از: مہتاب پیامی، کمپیوٹر ڈپارٹمنٹ، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ
payamee@gmail.com......

اردو نثر کے چند مروجہ اسالیب اور اسلامی ادب کا مسئلہ

محققین کے درمیان یہ بات مسلم رہی ہے کہ وجود اور پیدائش کے لحاظ سے کسی بھی زبان کی نثر کو نظم پر تقدم حاصل ہے، لیکن باضابطہ نظم کا وجود نثر سے پہلے ہے۔ ادبی نقطۂ نظر سے انسان پہلے لکھتا پڑھتا نہیں بلکہ مختلف خیالات واحساسات کی ترسیل کے لیے منظوم کلام سنتا سناتا ہے۔ البتہ منظوم کلام سے بحر ووزن کی رعایت پر زور اور التزام پر ادعا مقصود نہیں، یہ اس لیے کہ دعویٰ عام اور آفاقی نیز زمان وعہد کی قید سے آزاد ہے۔ نثر یا ادبی نثر پر نظم کے زمانی تقدم کے ساتھ یہ حقیقت ہے کہ نثر اپنے وجود کے بعد نظم سے کہیں زیادہ لکھی، پڑھی، بولی اور سنی جاتی رہی ہے۔ زبان انسان کے مافی الضمیر کے اظہار کا آلہ ہے اور یہ کام نظم کے مقابلہ میں نثر سے زیادہ بآسانی لیا جاسکتا ہے اور زیادہ وضاحت، بے تکلفی، برجستگی اور بے تکان انداز میں انجام پاسکتا ہے۔

نثر کیا ہے؟ لغت کے اعتبار سے اس کے معنیٰ ''بکھیرنے'' کے ہیں جو اس کی وجہ تسمیہ پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔ جس طرح نظم کا لغوی معنیٰ ''پرونا'' معنیٰ خیز ہے۔ نثر کی اصطلاحی تعریف نہایت مختصر انداز میں ''نقیضِ نظم'' ہے۔ اور نظم کہتے ہیں ''ایسے موزوں کلام کو جس میں متعین مخصوص اوزان وبحور میں سے کسی بحر ووزن کی قصداً رعایت کی گئی ہو۔'' چونکہ دنیا تغیر وانقلاب کی آماج گاہ ہے، انسان خود ایک وقت کیسا تھا، پھر کیسا ہو گیا، پہلے وحشی یا وحوش نما تھا پھر دھیرے دھیرے متمدن ہو گیا۔ یہی حال زبانوں کا بھی ہے، زبانیں برابر تغیر وانقلاب سے دوچار ہوتی رہتی ہیں اور نئے نئے تجربات سے آشنا ہو کر فروغ پاتی رہتی ہیں، جس کے بعد ان کا ادب بنتا ہے اور پھر اصناف ادب وجود میں آتے ہیں۔ اردو فی الوقت ان مراحل سے گزر چکی ہے، اس کا ادب معیاری ہے اور اصناف ادب پختہ اور قابل قبول ہیں۔

اردو میں ادب کا لفظ عربی زبان سے آیا ہے۔ عربی میں اس کا لغوی مفہوم تقریباً وہی ہے جو انسان کے بلند شریفانہ خصلتوں کو ظاہر کرتا ہے، لیکن بعد میں اصطلاحاً اس سے وہ تمام علوم مراد لیے جانے لگے جو ذہنی شائستگی اور تمدنی تعلقات کی پاکیزگی سے متعلق ہوں۔ اور اسے لٹریچر کے ترجمہ کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔ علماے ادب نے ادب کی بہت سے تعریفیں کی ہیں۔ بعض ادبا نے اسے اتنی وسعت دی ہے کہ ہر طرح کی تحریروں کو شامل ادب کر لیا جب کہ کچھ لوگوں نے اس کا دائرہ بالکل تنگ کر دیا۔ ہڈسن کہتا ہے کہ: ''ادبیات سے مراد صرف وہ کتابیں ہیں جو اپنے موضوع اور طرز بیان کے لحاظ سے عام انسانی دلچسپی کا باعث ہو سکتی ہیں اور جن میں خاص طور پر ایک مخصوص طرز بیان اور پڑھنے والوں کے لطف کا

لحاظ رکھا جائے۔" ہڈسن کی اس تعریف سے وہ تمام تحریریں یا کتابیں ادبی ہونے سے خارج ہو جائیں گی جو موضوعی ہوں اور انسانوں کے کسی خاص طبقہ کے لیے معلومات میں اضافہ کی غرض سے لکھی گئی ہوں مثلاً ریاضیات، تاریخ، نجوم، مذہبیات وغیرہ پر مشتمل تحریریں یا کتابیں۔

ارباب زبان وادب کے نزدیک یہ مسئلہ بھی باعث نزاع رہا ہے کہ ادب کا مقصد کیا ہے؟ محض تفریح طبع یا یہ زندگی اور مسائل زندگی کا نمائندہ اور ترجمان ہے۔ یعنی ادب خود غرضِ ادب ہے یا یہ وسیلہ وآلہ کار ہے اور اس کا مقصد معاشرہ کی مکمل اصلاح ونمائندگی ہے۔ ادب برائے ادب کے قائلین کا کہنا ہے کہ ادب ایک فن، ایک آرٹ ہے جو اخلاق سے ماورا اور بلند تر ہے، ادب صرف لذت ومسرت ہے اور کچھ نہیں۔ اس کے برخلاف ادب کو محض تفننِ طبع اور وقت گزاری قرار نہ دینے والوں کا خیال ہے کہ ادب مقصد نہیں ذریعہ ہے، ادب زندگی سنوارنے کا وسیلہ ہے، اسے لازماً مفید وکارآمد ہونا چاہیے۔

ادب کی غایت ومقصدیت کو لے کر قائم اس بحث بحثی پر اگر سنجیدگی سے غور کیا جائے تو یہ بات مبنی برحقیقت دکھائی دیتی ہے کہ ادب سے انسانی زندگی کو جو تعلق اور رشتہ حاصل ہے، اسے بآسانی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اچھی یا ادبی کتابیں بظاہر ذہنی، اخلاقی اور جذباتی تین طریقوں سے ہی مفید ہو سکتی ہیں، یعنی کتاب یا تو ہمارے ذہن وعقل پر اثر انداز ہوگی یا اخلاق پر یا صرف ہمارے جذبات پر تحریک پیدا کرے گی، اس لیے کسی ادبی شہ پارے یا کتاب کی قیمت کا اندازہ لگانے کے لئے ہمیں تینوں طریقوں پر غور کرنا چاہیے۔ انصاف کا تقاضا یہی ہے۔ مصالحتی کوشش کے ضمن میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ادب پر مقصدیت کا اس قدر غلبہ نہیں ہونا چاہیے کہ اس کی ادبی لطافت ونفاست کو نقصان پہنچنے لگے۔ اس معنی میں ادب نہ اخلاقی ہے نہ غیر اخلاقی، مذہبی ہے نہ غیر مذہبی، نہ سماج کا نمائندہ ہے نہ غیر نمائندہ، یعنی ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ادب مستقل طور پر ایک آرٹ اور ایک فن ہے۔ البتہ اس اعترافِ کے ساتھ یہ مفید اور کارآمد بھی ہوسکتا ہے اور اس سے کچھ مقصد بھی حاصل کیا جاسکتا ہے تو بجا طور پر یہ بھی جائز ہے۔

سید عابد علی عابد ادب برائے ادب پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "اس کا اصل اصول یہ ہے کہ اگر چہ فن، فن کار آخر کار اخلاق، مذہب، سیاست سے مربوط ہو جاتا ہے اور اس کو یوں جانچا جاتا ہے کہ وہ زندہ رہنے کے کسی اسلوب کی ترغیب دیتا ہے، تاہم فن اپنے دائرہ میں بااختیار ہے۔ البتہ زندگی کے مسائل پر اس کا نقطۂ نظر عام لوگوں سے جداگانہ ہے۔" (اسلوب: ص ۲۹)

ادب کے بعد اصناف ادب یا اسالیب ادب کا مرحلہ آتا ہے۔ ادب بنیادی طور پر تو نثر ونظم پر مبنی ہے اور نثر ونظم مختلف اصناف واسالیب رکھتی ہیں۔ لیکن ہمیں خصوصی طور پر یہاں صرف نثر پر اور وہ بھی اس کے اسالیب پر گفتگو کرنا ہے۔ لغوی طور پر "اسلوب" کا لفظ انگریزی زبان کے اسٹائل (Style) کا ترجمہ ہے۔ جب کہ اصطلاحاً اس کی گوناگوں تعریفیں کی گئی ہیں۔

جان اسپنسر کے مطابق "اسلوب کی جانچ پرکھ بنیادی طور پر کچھ ایسی وضعوں اور لسانی ڈھانچوں کے نمونوں کا علمی بیان ہے جو کسی خاص متن میں دیکھے جاتے ہیں۔"

بونامی ڈوبری کے نزدیک "اسلوب کوئی زیور نہیں ہے، یہ کوئی ورزش اور اچھل کود بھی نہیں ہے، نہ ہی کسی قسم کا الجھاؤ ہے، یہ تو ایک شخص کا احساس ہے، اس بات کا علم ہے کہ ایک شخص کیسے موزوں ومناسب لفظوں میں کیا کہنا چاہتا ہے۔"

اسلوب کی دریافت کرتے وقت ذہن کو جگہ جگہ رک کر یہ غور کرنا پڑتا ہے کہ آیا اسلوب واقعی شخصیت کے اظہار کا نام ہے یا محض الفاظ اور جملوں کے دروبست یا لفظی صناعی کا کرشمہ یا پھر اسلوب کا مطالعہ تمام تر لسانیات کا رہین منت ہے۔ اسلوب کو عام طور پر کسی نثر نگار کے منفرد طرز نگارش یا انداز تحریر سے تعبیر کردیا جاتا ہے جس سے درحقیقت مطلوبہ دلالتیں مکمل طور پر واضح نہیں ہو پاتیں۔ عموماً اس بات پر زیادہ زور دیا جاتا ہے کہ اسلوب شخصیت کے مکمل اظہار کا دوسرا نام ہے، لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ بسا اوقات نثر نگار شعوری طور پر اپنی شخصیت کو چھپا بھی لیتا ہے اور قاری کو یہ محسوس ہونے نہیں دیتا کہ یہ کس کی نثر وانشا ہے۔ نیز بعض حضرات بیک وقت کئی ایک اسلوب میں اظہار وابلاغ پر قادر ہوتے ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اسلوب ہمیشہ شخصیت کا آئینہ دار رہے۔ البتہ اتنا تسلیم ہے کہ اسلوب کی تشکیل میں زبان وبیان پر قدرت اور نفس مضمون سے پوری طرح واقفیت کے ساتھ نثر نگار کے مزاج وطبیعت کا بھی خاصا عمل دخل ہوتا ہے مگر اسلوب مکمل اظہار شخصیت کا نام ہے، کبھی کبھی یہ بات مکمل صادق آنے سے رہ جاتی ہے۔

اسالیب نثر کی اصناف واقسام کی تعداد بھی ایک اہم مسئلہ ہے۔ بعض اہل رائے کا خیال ہے کہ اسالیب نثر، ادبی تخلیق کاروں کی تعداد کے لحاظ سے کثیر یا بے شمار ہوسکتے ہیں کیوں کہ ہر لکھنے والے کا اپنا الگ انداز تحریر ہوتا ہے۔ لیکن یہ بات درست نہیں، حقیقت یہ ہے کہ اکثر ادبی تخلیق

کاروں کے اسلوب، دوسروں کے اسالیب تحریر سے ٹکراتے اور میل کھا جاتے ہیں۔ کچھ نہ کچھ امتیازات پائے بھی جاتے ہیں تو اس میں بہت حد تک انتخاب موضوعات کا دخل ہوتا ہے۔ مثلاً علمی وتحقیقی موضوع کے لیے رومانی اسلوب ہرگز اختیار نہیں کیا جاسکتا اور رومانی اسلوب کا نمائندہ بھی اس موقع پر اسلوب کی تبدیلی اور اس کی پیچیدگیوں کو قبول کرے گا۔ نثر کے اسالیب بیان پر تحریر کردہ کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک مشکل اور پیچیدہ کام ہے۔ اس کے لیے حقیقت یہ ہے کہ مختلف علوم وفنون کا گہرا مطالعہ، مختلف زمانوں کے حالات ومقتضیات کی صحیح جانکاری، زبان وادب پر کامل عبور، لفظوں کی درست نباضی ورمز شناسی، جمالیات اور اصول تنقید کو خاص طور پر پیش نظر رکھنا پڑے گا۔ یہ نہایت خاردار اور دشوار گزار راہ ہے، تاہم بعض باحوصلہ حضرات نے محنت وکوشش کے بعد کچھ نمائندہ اسالیب متعین کرنے کی جرأت کی ہے۔ مثلاً:

نمبر شمار	اسالیب	نمائندے
۱	سادہ اسلوب:	سرسید، حالی، نذیر احمد، پریم چند، میر امن، عبد الحق۔
۲	مرصع اسلوب:	ملا وجہی، عطا حسین تحسین، رجب علی بیگ سرور۔
۳	شگفتہ اسلوب:	حسن نظامی، نیاز فتح پوری، مہدی افادی، محمد حسین آزاد، کرشن، غالب۔
۴	طنزیہ اسلوب:	غالب، سرشار، رشید احمد صدیقی، پطرس بخاری، کرشن، فرحت اللہ بیگ۔
۵	بیانیہ اسلوب:	سرسید، شبلی، رسوا، سرشار، نیاز، ابوالکلام آزاد، محمد حسین آزاد، عبد الحق، حیات اللہ انصاری۔
۶	ہیجانی اسلوب:	سعادت منٹو، عصمت چغتائی، عزیز احمد وغیرہ۔
۷	مخلوط اسلوب:	عبد الرحمٰن بجنوری، سجاد انصاری، قاضی عبد الستار، غالب، ابوالکلام آزاد، انتظار حسین، راجندر سنگھ بیدی، قرۃ العین حیدر وغیرہ۔
۸	محاوراتی اسلوب:	میر امن، عصمت چغتائی، راشد الخیری، نذیر احمد وغیرہ۔
۹	رومانی اسلوب:	کرشن چندر، نیاز فتح پوری، مہدی افادی، عزیز احمد، قاضی عبد الغفار وغیرہ۔

(اردو کے نثری اسالیب، ص ۳۶)

لیکن کیا یہی نمائندہ اسالیب ہیں یا ہوسکتے ہیں؟ سچی بات یہ ہے کہ اگر صحیح تجزیہ کیا جائے تو ہمیں اسالیب کی تعداد بہت بڑھا دینی پڑے گی اور اگر کچھ نہ کچھ اشتراک کا پہلو تلاش کیا جائے کہ جس طرح خود صاحب کتاب نے بھی کیا ہے تو بلاشبہ بعض اسالیب دوسرے میں ڈھلک اور سمٹ آئیں گے۔

اسلامی ادب کا مسئلہ: اردو کی پیدائش، بقا اور نشو ونما کے بارے میں ہم سبھی جانتے ہیں کہ یہ نوپید زبان عہد اول میں مسلم صوفیا ومبلغین کی عنایت وتوجہ کے احسان سے گراں بار رہی ہے۔ بلکہ سچائی یہ ہے کہ اردو پر ہمیشہ مذہب اسلام کا رنگ غالب تر رہا ہے۔ اردو کے فروغ وارتقا میں آج بھی مدارس اسلامی کی بے لوث خدمات قابل تحسین ہیں۔ علماء کا اوڑھنا بچھونا اردو ہی ہے۔ ادبائے اردو کو اس کا اعتراف ہے کہ اردو میں جتنا مذہب پر لکھا جا رہا ہے، ادب پر نہیں۔ یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ مذہبی تحریریں جہاں مقصدیت اور مدعا نگاری کی بہترین مثالیں ہیں وہیں بعض اصحاب قلم کی تحریروں میں خاصا نکھار اور شگفتگی بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ اور شاید اسی احساس کے روز افزوں شدت کا نتیجہ ہے کہ برابر یہ مطالبہ زور پکڑتا جا رہا ہے کہ اگر مذہبی یا اسلامی تحریروں یا کتابوں میں لب ولہجہ کی سنجیدگی، زبان وادب کی پاکیزگی، عمدگی اور شگفتگی نظر آتی ہے تو انھیں محض مذہبی یا اسلامی تحریریں یا کتابیں کہہ کر نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ کم از کم مذہبی یا اسلامی ادب کی اصطلاح قبول کر کے ان تحریروں یا کتابوں کو اسلامی ادب کا حصہ قرار دے دینا چاہیے۔ یہ مطالبہ بجا ہے۔ البتہ اکثر ادبائے اردو یہاں منہ بسورنے لگتے ہیں جو انصاف واعتدال سے ہٹی ہوئی بات ہے۔

یہ مطالبہ بجا اس لیے ہے کہ ادب کا کوئی مقصد نہ ہو، یہ محال ہے۔ کیوں کہ علت اور غرض وغایت کے بغیر کوئی چیز عالم وجود میں نہیں آسکتی۔ محض لذت ومسرت کو غرضِ ادب کہنے سے بھی بات نہیں بنتی کہ لذت ومسرت دراصل اضافی کیفیتیں ہیں۔ ایک شخص راتوں کو جاگ کر عبادتیں کر کے مسرور ہوتا ہے اور دوسرا شخص رات بھر سو کر فرحت محسوس کرتا ہے یا ایک شخص ظلم کرتا اور مسکراتا ہے اور دوسرا شخص مظلوم کی دادرسی کرتا اور فخر جتاتا ہے وغیرہ۔ ادب صرف ادب ہے، یہ بھی مقصد کے لئے مضرت رساں نہیں کیوں کہ مختلف اعتبارات کے پیش نظر ضمنی یا ثانوی اقسام واصناف ہم خود تسلیم

اشاریہ

ماہ نامہ اشرفیہ ۱۹۹۸ء

جلد: ۲۲/ جنوری تا دسمبر

محمد ساجد رضا مصباحی

شمار	عنوانات	مضمون نگار	ماہ	صفحات
	……《اداریے》……			
۱	اک نگاہِ التفات	محمد عبدالمبین نعمانی قادری	جنوری	۳
۲	فکر مسئولیت اور ہماری غفلت	محمد عبدالمبین نعمانی قادری	فروری	۴-۳
۳	قربانی اور عہدِ جدید کے شبہات	مولانا مبارک حسین مصباحی	مارچ	۴-۳
۴	عاشورہ محرم اور تعزیہ داری	مولانا مبارک حسین مصباحی	اپریل	۵-۳
۵	آہ! ضیاء الامت پیر کرم شاہ ازہری نہ رہے	مولانا مبارک حسین مصباحی	مئی	۶-۳
۶	رمی جمار کے اوقات میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں	مفتی محمد شریف الحق امجدی	جون	۶-۳
۷	امام احمد رضا ایک آفاقی شخصیت	مولانا مبارک حسین مصباحی	جولائی	۴-۳
۸	پرائمری اسکول میں وندے ماترم کا نفاذ	مولانا مبارک حسین مصباحی	اگست	۵-۳
۹	ذکر حافظ ملت کا	مولانا مبارک حسین مصباحی	اکتوبر	۱۰-۳
۱۰	حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز	مولانا مبارک حسین مصباحی	نومبر-دسمبر	۳۱-۱۴
	……《فقہیات》……			
۱	کیا جاہل سید، اعلیٰ حضرت سے افضل ہیں؟	مفتی محمد شریف الحق امجدی	جنوری	۷-۴
۲	داڑھی منڈانے والے کو امام بنانا کیسا ہے؟/ آرڈر کے خلاف مال بھیجنے پر	مفتی محمد شریف الحق امجدی	فروری	۷-۵
	زائد خرچ کا حکم/ مسواک کی جگہ منجن یا برش کا استعمال	ادارہ	فروری	۳۵-۳۴
۴	کیا انبیا و اولیا سے مدد مانگنا شرک ہے؟	مفتی محمد شریف الحق امجدی	مارچ	۸-۵
۵	عیدالاضحیٰ کے فضائل اور احکام و مسائل	ادارہ	مارچ	۱۶
۶	کیا عقیقہ کا ذبیحہ اور بچے کے سر کے بال ایک جگہ گاڑنا ضروری ہے؟/ عقیقہ میں بالوں کے برابر سونا یا چاندی کسے دی جائے؟/ عقیقہ کرنا کس عمر تک درست ہے؟/ کیا محراب کا مسجد کے بیچ میں ہونا ضروری ہے؟/ کیا مسجد کا لاؤڈ اسپیکر میلاد وغیرہ میں استعمال کیا جاسکتا ہے؟/ کیا مسجد کی پرانی اینٹیں مدرسہ کی نئی اینٹوں سے بدل سکتے ہیں؟/ کیا مسجد کا سامان غیر مسلم کے ہاتھوں فروخت کیا جاسکتا ہے؟/ حیض نہ آنے کی صورت میں مدت عدت کیا ہوگی؟/ کلائی میں کسی مزار کا دھاگا باندھنا کیسا ہے؟	مفتی محمد شریف الحق امجدی	اپریل	۹-۶
۷	اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ ایشور کا استعمال/ مشرکین سے معاملات کی شرعی حد بندی/ بے پردہ عورت کے شوہر کی امامت کا حکم/ ٹاٹ پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے/	مفتی محمد شریف الحق امجدی	مئی	۱۰-۸

شمار	عنوانات	مضمون نگار	ماہ	صفحات
	مشترکہ بینک سے بنام سود رقم لینے کا حکم/ تحذیر الناس اور مسئلہ ختم نبوت			
۸	عرسوں اور جلسوں میں عورتوں کی شرکت - ایک اہم مسئلہ	مولانا عبدالرشید رضوی	مئی	۳۴
۹	کیا دم کی قربانی حرم میں ضروری ہے؟/ کیا حج وعمرہ کا صدقہ دینی مدارس میں دیا جاسکتا ہے؟/ کیا طواف زیارت چھوٹنے سے حج ادا ہو جائے گا؟/ کیا حلق کیے بغیر حج ادا ہو جائے گا؟/ عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ نہ کرنے کا کیا حکم ہے؟/ تمتع اور قران کی قربانی کا صحیح وقت کیا ہے؟	مفتی محمد شریف الحق امجدی	جون	۱۰-۷
۱۰	ڈاکٹر اقبال اور مولانا انظر شاہ کشمیری کے بارے میں علماے اہل سنت کا موقف	مفتی محمد شریف الحق امجدی	جولائی	۱۰-۵
۱۱	عاشورۂ محرم میں خوشی منائی جائے یا سوگ؟/ کیا حضرت معاویہ صحابی ہیں؟/ کیا حضرت معاویہ کو جہنمی کہنا جائز ہے؟/ کیا مدرسہ نابالغ طلبہ کے وظائف اپنے مصرف میں لاسکتا ہے؟	مفتی محمد شریف الحق امجدی	اگست	۸-۷
۱۲	مسلک اعلیٰ حضرت کہنا کیسا ہے؟	مفتی جلال الدین احمد امجدی	اگست	۸
۱۴	فلمی اشعار گانا اور سننا کیسا ہے؟	مفتی محمد شریف الحق امجدی	اکتوبر	۱۹
۱۵	حیرت انگیز مسائل (خنثیٰ مشکل)	مفتی محمد نظام الدین رضوی	اکتوبر	۲۵-۲۳
۱۶	کیا غریب نواز کی ملاقات غوث اعظم سے ہوئی؟/ کیا بی بی نصیبہ غوثِ اعظم کی بہن تھیں؟/ دریا کے کنارے حضرت خضر کی نیاز	مفتی محمد شریف الحق امجدی	نومبر-دسمبر	۳۸-۳۴
	……《تحقیقات》……			
۱	قرآنی معلومات	عبدالوحید مصباحی	جنوری	۳۰
۲	پولیو	ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی	جنوری	۳۸-۳۷
۳	مسواک کے دینوی واخروی فوائد	قاضی الطیع الحق عثمانی	فروری	۳۴-۳۲
۴	ایڈز ایک مہلک مرض	ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی	فروری	۳۹-۳۸
۵	شیر خوار بچہ اور ماں کا دودھ	ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی	مارچ	۴۱
۶	دعوت اسلامی: ایک جائزہ	مولانا سید رکن الدین اصدق	مارچ	۴۶-۴۵
۷	کتب تصوف میں تحریفات وتلفیقات (قسط-۱)	سید علیم اشرف جائسی	اپریل	۲۴-۱۸
۸	دار العلوم دیوبند کا اصل بانی کون؟	ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم	اپریل	۳۵-۲۵
۹	حاملہ عورتوں کے امراض اور ان کا علاج	ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی	اپریل	۴۵-۴۴
۱۰	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے کچھ گوشے	عبدالوحید مصباحی	جون	۱۲
۱۱	کتب تصوف میں تحریفات وتلفیقات (قسط-۲)	سید علیم اشرف جائسی	جون	۳۰-۲۴
۱۲	قے دست کا طبی علاج	ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی	جون	۴۳-۴۲
۱۳	ہدایت کاملہ بر قنوت نازلہ	علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی	جولائی	۱۷-۱۱
۱۴	ندائے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شرعی حکم	مولانا کمال الدین	جولائی	۲۳-۱۸
۱۵	ٹیکا لگانا	ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی	جولائی	۴۴
۱۶	گستاخان رسول کی سزا قتل	مولانا نواب الدین	اگست	۱۵-۵
۱۷	ختنہ کے فوائد	ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی	اگست	۴۰-۳۹

ادبیات

نقد و نظر

منظومات

مکتوبات

سرگرمیاں (روداد چمن)

وفیات

(ص: ۱۱ کا بقیہ) ......ایک کام کرنے والے نام ور جاسوس تھے جنھوں نے بڑی محنت سے "وہابی جماعت" تیار کر کے ترکوں اور عربوں کا اتحاد ختم کر دیا اور جمال الدین افغانی، جن کو لوگ ایک مصلح سمجھتے رہے، انھوں نے ظاہر میں مسلمان ہونے کے باوجود "ترکی خلافت" کو توڑنے میں بے مثال کردار ادا کیا۔ تو ہماری جاسوسی میں ایک کامیاب تاریخ رہی ہے۔

مسلم ممالک کے خلاف جنگ- جب مسلمانوں کو ہم نے ایک خطرناک چیز بنا کر پیش کیا تو لوگ گھبرانے لگے، اسی صورت حال کو ہم نے مسلم ممالک میں فوجی اور عوامی ترقی کے خلاف استعمال کیا۔ آپ جانتے ہیں کہ روس کے انتشار کے بعد ہمارے منصوبوں کو روکنے والے مسلمان ہی ہیں۔ ہم دنیا میں تعلیم اور حقوقِ انسانی کے تعلق سے بیداری کی وجہ سے بلا جواز حملہ نہیں کر سکتے تھے، لہٰذا ہم نے ان ملکوں کو برباد کرنے کے لیے ان ملکوں کے بعض لوگوں کو خریدا اور ان کو لیڈروں اور رہ نماؤں کے خلاف کھڑا کیا، جو مسلم ممالک کی آزادی، ترقی اور برتری کے لیے کام کر رہے تھے اور ان کو ٹھکانے لگا دیا۔ ہم نے ہی شاہ فیصل، جنرل ضیاء الحق، کرنل سادات اور گاندھی کو راستے سے ہٹوایا۔ ہم نے ہی جزائر میں اسلامی فرنٹ کو رد کروا دیا۔ فلسطین میں حماس کو برباد کروایا اور ترکی میں نجم الدین کی پارٹی کو میدان سے ہٹا دیا اور یاسر عرفات کو زہر دلوا دیا۔ ہم پوری دنیا میں ایسے لیڈروں پر نظر رکھتے ہیں جو کسی بھی اعتبار سے یہود یا یورپ کے خلاف جا رہے ہوں۔ ہم ان لیڈروں کی ایک ایک بات اور ایک ایک فعل پر نظر رکھتے ہیں۔ اور جن ملکوں میں مسلم قبائل بستے ہیں وہاں قبیلے کے سرداروں کو خرید کر بغاوت کرا دیتے ہیں اور ہندوستان جیسے ملک میں مسلم اور غیر مسلم عوام کو مختلف قومیتوں میں بانٹ کر ٹکراؤ کرا دیتے ہیں۔ یہ تجربہ عراق اور افغانستان میں کامیاب رہا ہے اور اب پاکستان اور ایران میں اس پر عمل کرنے جا رہے ہیں۔ اور جہاں اسلامی حکومتیں نہیں ہیں اور وہاں جمہوریت ہے تو وہاں پر بھی مسلمانوں کی بربادی کا اچھا خاصا سامان ہے، کیوں کہ قانون ساز اداروں میں ہم ایسے ہی لوگوں کو بھیجتے ہیں جو مسلمانوں کے حقوق کی آواز نہ اٹھائیں۔

اب موجودہ صورت حال میں ہمارے لیے کسی اسلامی ملک پر حملہ کرنا مشکل نہیں ہے۔ اب ہم جلد ہی ایران، پاکستان وغیرہ پر قبضہ کرنے والے ہیں اور عرب حکمراں تو مکمل اسرائیل کے ساتھ ہیں۔ وہاں پر اندر سے فوجوں، عمارتوں اور سرکاری اداروں پر "موساد" اور سی. آئی. اے. کا مکمل کنٹرول ہے اور حکمرانوں کا انتخاب یہی ادارے کرتے ہیں۔ لہٰذا جزیرۂ عرب پر ہمارا مکمل کنٹرول ہے۔

مسلمانوں کا صفایا کرنے کے بعد ہم پوری دنیا کے قبائل اور قوموں کو ٹکرا دیں گے اور اسلحہ فرخت کر کے دادِ عیش دیں گے۔

ہم نے پوری دنیا میں ابھی سے ہزاروں سینائیں تیار کر لی ہیں۔ رنویر سینا، شیو سینا، طالبان سینا، سلوا جوڈم، نکسل سینا، پٹیل وار سینا، غرض کہ ہم نے دنیا کے ہر ملک میں اس طرح کی سینائیں تیار کر کے قتل وغارت گری کا میدان کارزار سجا رکھا ہے۔ اور یہ سب کچھ ہمارے ایجنٹس کروا رہے ہیں اور ہمارا میڈیا آزادی اور تہذیب کا طبل بجا رہا ہے۔

تو جناب! یہ ہے ہماری جنگ، انسانیت کے خلاف، غریب عوام کے خلاف، مسلمانوں کے خلاف، اور ہم بڑے حد تک اس میں کامیاب ہو رہے ہیں۔

ابلیس- جناب اوباش امریکی صاحب! واقعی آپ نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ شکریہ آپ کا!

اب میں دعوت دیتا ہوں مسٹر ماساد کو کہ وہ آئیں اور وزارت برائے بربادی ماحولیات کی کارگزاری سنائیں............ (باقی آئندہ)

نقد و نظر

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہے

نام کتاب :اللہ والے بلگرام کے
مصنف :مولانا نورالحسن نوری اویسی سیف آبادی
صفحات :۱۱۲ قیمت :۳۰ روپے
ناشر :مخدومِ ملت لائبریری
سیف آباد، پرتاپ گڑھ (یو. پی.)
مبصر :اختر حسین فیضی مصباحی

بلگرام شریف شمالی ہند کے صوبہ اتر پردیش میں ضلع ہردوئی کا ایک قدیم تاریخی، دینی، علمی، ادبی اور روحانی قصبہ ہے۔

شاہ کار اسلامی انسائیکلوپیڈیا کے مصنف رقم طراز ہیں:

"بلگرام ہندوستان کے ضلع ہردوئی کا ایک پرانا قصبہ ہے۔ اس شہر نے بڑی عظیم شخصیتوں کو جنم دیا ہے۔ شروع میں اس مقام پر کشھیرے آباد تھے، جنھیں قنوج کے حملہ آور راجپوتوں نے یہاں سے نکال دیا۔

بلگرام کو ۴۰۹ھ/۱۰۱۸ء میں سلطان محمود غزنوی کے حملوں کے زمانے میں قاضی محمد یوسف نے فتح کیا۔ غزنوی سلطنت کے زوال کے بعد ہندوؤں نے اس شہر پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور مسلمانوں کو یہاں سے نکال دیا۔ سلطان شمس الدین التمش کے عہد حکومت ۶۱۴ھ/۱۲۱۷ء میں یہاں پر ہمایوں اور شیر شاہ سوری کی فوجوں کے درمیان ایک زبردست جنگ لڑی گئی جس میں ہمایوں کی فوجیں بالکل تباہ و برباد ہو گئیں۔"

(شاہ کار اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ص: ۳۹۶، از سید قاسم محمود)

صاحب مآثر الکرام لکھتے ہیں: "حضرت سید محمد نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ۶۱۴ھ میں اسلام کے غازیوں کی ایک فوج کے ساتھ بلگرام پر چڑھائی کی اور یہاں کے راجہ "سری نام" جو متعصب کافر تھا اور خزانوں کی بہتات، سپاہیوں اور مددگاروں کی کثرت کا غرور اس کے سر میں سمایا ہوا تھا، معرکۂ قتال آراستہ کیا اور راجا کو تمام لشکریوں اور رشتہ داروں سمیت قتل کر دیا اور اس علاقہ کے مشرکوں کی نجاست کو تلوار کی دھار سے دھو کر شعائر اسلام کا نزہت کدہ بنا دیا۔ اس کی فتح کی تاریخ لفظ "خداداد" (۶۱۴ھ) سے برآمد ہوتی ہے۔ (مآثر الکرام تاریخ بلگرام اردو، ص: ۷۹-۷۸، از میر سید غلام علی آزاد / مونس اویسی)

یہ ہی سید محمد صغریٰ ہیں جن کا لقب "صادق الدعوۃ الصغریٰ" ہے۔ آپ کے بلگرام میں قدم رنجا فرمانے کے بعد وہاں کی سرزمین پر اسلام کی بادِ بہاری چلی اور باشندگانِ بلگرام اسلام کے دامن پر بہار میں جوق در جوق آنے لگے۔ آپ کی کوششوں سے یہاں اسلام کا غلبہ ہوا اور آپ کی نسلِ پاک سے سادات کا ایک خاندان آباد ہوا، جس میں بڑے بڑے علما اور صوفیا پیدا ہوئے، جن کی علمی اور روحانی وجاہت اہلِ علم و فضل کے درمیان ایک جداگانہ شناخت رکھتی ہے۔ یہاں کی خمیر سے پیدا ہونے والے حاملان قرطاس و قلم اپنی علمی اور تحقیقی نگارش کی وجہ سے صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ عالمِ اسلام میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ علامہ سید مرتضیٰ حسین زبیدی "تاج العروس شرح القاموس" کی تصنیف کی وجہ سے اہل علم کے مرکزِ توجہ اور سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ "صاحب سبع سنابل" علامہ عبد الواحد بلگرامی صاحبانِ تصوف و طریقت کے درمیان ایک الگ پہچان رکھتے ہیں۔ حضرت علامہ سید عبدالجلیل بلگرامی اور دیگر حضرات خانوادہ تبلیغ وارشاد اور خدمت خلق کی بنیاد پر عوام و خواص کے سر کے تاج ہیں۔ ان بزرگوں کا فیضان سید اویس مصطفیٰ قادری واسطی کے ذریعہ آج بھی جاری ہے، جو یہاں کی مسند سجادگی پر رونق افروز ہیں اور کاملانِ بلگرام کی علمی، فکری اور روحانی قدروں کے وارث و امین ہیں۔

ساداتِ بلگرام کے تذکرے میں میر سید غلام علی آزاد کی کتاب "مآثر الکرام تاریخ بلگرام" بڑی ہی معلومات افزا کتاب ہے جس میں ان کے زمانے تک کے تمام علما اور صوفیہ کے حالات قلم بند ہیں۔

زیر نظر کتاب "اللہ والے بلگرام کے" پانچ بزرگانِ بلگرام کی حیات و خدمات پر مشتمل ہے جس میں بالترتیب مندرجہ ذیل شخصیات کا تذکرہ صفحۂ قرطاس پر نقش کیا گیا ہے۔

(۱)- فاتحِ بلگرام سید محمد صغریٰ (صاحب الدعوۃ الصغریٰ)

جنھوں نے ۶۱۴ھ میں بلگرام کو فتح کیا اور اسلام کا پرچم بلند کیا اور آپ کے دم قدم سے بلگرام شریف اور اس کے اطراف میں علمی و دینی چہل پہل نظر آنے لگی۔

(۲)- سید محمد قادری صغروی زیدی واسطی۔ آپ سید شاہ ضیاء اللہ صغروی کے صاحب زادے ہیں، اور صاحب کشف و کرامت بزرگ ہیں۔ آپ کا ہر عمل شریعت کے دائرے میں ہوتا۔ (باقی ص: ۵۲ پر)

منظومات

حمد

وہ بندہ، نفس کو اپنے جو مار دیتا ہے
بلندیاں اسے پروردگار دیتا ہے
خزاں رسیدہ چمن کو بہار دیتا ہے
خدا کا ذکر دلوں کو قرار دیتا ہے
بصد نیاز جو دامن پسار دیتا ہے
خدا تو اس کو بڑے اختیار دیتا ہے
بشر، جو دنیا کو ٹھوکر سے مار دیتا ہے
خزانے اس کو خدا بے شمار دیتا ہے
اُسے پسند نہیں ہے دماغ و دل کا غرور
طبیعتوں کو وہی انکسار دیتا ہے
سوال کرتے ہیں ہم لوگ بار بار اس سے
جواب لطف ہمیں بار بار دیتا ہے
شکارِ ہفت مسائل ہو جو حیات مری
دل و دماغ کی الجھن سنوار دیتا ہے
کریم ایسا، کرم کا نہیں ہے جس کے حساب
بغیر مانگے ہی نعمت ہزار دیتا ہے
دعائیں سنتا ہے سوکھی ہوئی زمینوں کی
گھٹا اٹھاتا ہے، پانی اتار دیتا ہے
لپیٹ دیتا ہے اندھیری رات کی چادر
سحر کے رنگ سے دنیا نکھار دیتا ہے
وہی خدا ہے جو دیتا ہے لفظ کو تاثیر
مرے قلم کو وہی اعتبار دیتا ہے
بصیرت اور بصارت، ہیں سب اسی کی عطا
شعور دیتا ہے، حق کا شعار دیتا ہے
میسر آتی ہیں سجدوں میں لذتیں مہتاب
عبودیت کا دلوں کو خمار دیتا ہے

مہتاب پیامی

گناہ گار کی نجات

اگر کوئی جہان میں جمیع کُل صفات ہے
تو وہ مرے رسولِ پاک ہی کی پاک ذات ہے
وہ جن کے واسطے وجودِ بزم کائنات ہے
وہ جن کے فیض سے گناہ گار کی نجات ہے
یہ آج کون آگیا ہے آمنہ کی گود میں
کہ عرش سے زمیں پہ بارشِ تجلیات ہے
سیاہ خانۂ جہاں میں آج انھیں کے نور سے
اک عالمِ تجلیات در تجلیات ہے
درِ رسول پر نہ پوچھیے مرے نصیب کو
کہ میں ہوں اور میری جنتِ تصورات ہے
تصور رسول ہے نفس نفس نشاط زا
نبی کا ذکرِ پاک میرا حاصلِ حیات ہے
زہے وہ تابشِ جمال مصطفیٰ کی اک جھلک
کہ جس کے سامنے ضیائے مہر و ماہ مات ہے
وہاں سے بھی بلند تر نبی کی بزمِ خاص ہے
جہاں نگاہ و فکر کی حدِ تعینات ہے
نصیب جگمگائے فاخرِ گناہ گار کا
حضور اک نگاہِ التفات ہی کی بات ہے

فاخر جلال پوری

فیضِ فرواں

عشقِ سرکارِ رسالت حافظِ ملت کا فیض
غوثِ اعظم سے عقیدت حافظ ملت کا فیض
قادریت کی مہک آئی درِ برکات سے
حسنِ مارہرہ سے نسبت حافظ ملت کا فیض
سلسلے سے پائی ہے صدر الشریعہ کی ڈگر
اعلیٰ حضرت سے محبت حافظِ ملت کا فیض
ہر عزیزی پھول گل دستہ ہے رنگ و نور کا
ہے خزاں میں بھی سلامت حافظِ ملت کا فیض

☆☆☆☆☆

عکس ہے حسنِ کریمانہ کا صورت تیری
سنتِ سرورِ کونین ہے سیرت تیری
آج انھیں مسندِ اعزاز پہ فائز پایا
مل گئی جن کو بھی تقدیر سے نسبت تیری
جوڑ کر ٹوٹے دلوں کو سدا بشاش کیا
سر بخم کر دیا دشمن کو بھی طینت تیری
میں کہ اک ذرہ چمکنے لگا سورج کی طرح
پڑ گئی چشمِ کرم حافظ ملت تیری

بیکل اتساہی بلرام پوری

اسلام کی بارش

ہر روز ہوئی جاتی ہے اکرام کی بارش
اک شخص سیہ کار پہ انعام کی بارش
پر درد مصائب ہوں تعاقب میں ہمیشہ
ہو جائے ابو جہل پہ آلام کی بارش
جب حد سے بڑھی پیاس قیامت میں، جھما جھم
رندانِ رسالت پہ ہوئی جام کی بارش
ہوتا ہے فرشتوں کا نزول اس طرح جیسے
دربارِ شہِ دیں پہ ہو خدام کی بارش
میرے بھی مقدر کے کسی صفحہ پہ لکھ دے
یا رب تو مدینے کی حسیں شام کی بارش
سرسبز ہیں، شاداب ہیں، کفار بھی اطہر
ہوتی ہے اسی طرح سے اسلام کی بارش

حسن رضا اطہر

وفیات

عبد الجلیل اشرفی

......دبستان درس وتدریس کا مہکتا گلاب نہ رہا ......

پورنیہ، صوبۂ بہار کا ایک اہم اور نامور تاریخی ضلع ہے۔ اسی مشہور ضلع کے تحت "گوہاس" نامی ایک قصبہ سرفہرست ہے۔ حالاں کہ اس بستی کا رقبہ کوئی خاص بڑا نہیں ہے اور آبادی بھی زیادہ نہیں ہے۔ لیکن یہاں کی مٹی اپنی زرخیزی، مسلک نوازی، اور علما دوستی میں بے مثال ہے۔ یہاں شریعت وطریقت کے کئی ایسے نام ور اور جید اکابر پیدا ہوئے جنھوں نے اپنے اپنے عہد میں اسلام، مذہب حنفی، اور مسلک اہل سنت وجماعت کی بے لوث خدمات انجام دی ہیں۔ انہی عظیم ہستیوں میں ایک نمایاں نام پیر طریقت رہبر شریعت محدث بہار فقیہ عصر حضرت مفتی عبد الجلیل اشرفی صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضور سرکار کلاں کچھوچھہ شریف وسابق شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ حیدرآباد کا ہے۔ حضرت ایک بلند پایہ محقق، صاحب علم وفن اور آفاقی شخصیت کے مالک تھے۔ انہیں ہمیشہ ہر لحظہ دینی قدروں کے فروغ کی فکر لاحق رہا کرتی تھی۔ الحمد للہ! آج پورے گوہاس میں علم وہنر کی جو چمک ودمک نظر آتی ہے سب انہیں کے بافیض قدموں کی برکت ہے۔ انھوں نے علم کی اشاعت بھی کی اور ان کو برتنے کا شعور بھی بخشا۔

حضرت نے دینی علوم کے جذبے کو اس طرح پروان چڑھایا تھا کہ آج ہر گھر میں علم نبوی کے قمقمے نظر آنے لگے ہیں۔ ان کے دل میں وہی عشق رسول کی شمع جل رہی تھی جو حضور مخدوم سمناں کچھوچھوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے جلائی تھی۔ حضرت اپنی ہر خوبی میں تنہا اور یکتائے روزگار تھے۔ کتب بینی کا یہ عالم تھا کہ پوری پوری رات کتب کے مطالعہ میں گزار دیتے تھے۔

محترم قارئین! اسی سے حضرت کی خداداد صلاحیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے کس طرح اپنی پوری حیات مستعار کو کتب بینی اور عبادت وریاضت میں وقف کردی تھی۔

آپ کو عبادت سے شغف کا یہ عالم تھا کہ ضعیف العمری کے باوجود رات کے اکثر حصہ تک فرائض کی ادائیگی کے بعد نوافل وتہجد وغیرہ کھڑے ہوکر ادا فرماتے اور جب تک آپ کو نیند نہ آجاتی اوراد ووظائف میں لگے رہتے۔ الغرض! حضور مفتی عبد الجلیل اشرفی صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات مقدسہ گوناگوں اوصاف جمیلہ کی حامل تھی۔ آپ کی غالباً ۵۵ر پچپن سالہ تدریسی خدمات اس بات پر شاہد ہیں کہ علوم عقلیہ ونقلیہ پر آپ کو مکمل عبور حاصل تھا۔ بلکہ انکشاف حقیقت تو یہ ہے کہ اس دور کے سینکڑوں مسلم الثبوت اساتذہ کے آپ استاذ تھے۔ ہزار ہا شاگردوں کے استاذ ڈھیر سارے مریدوں کے پیر اور علماو اصفیا کے مرجع ہونے کے باوجود آپ کی تواضع وانکساری عدیم المثال تھی۔ بلاشبہ یہ آپ کی ذات گرامی کا وصف خاص ہے۔

بالآخر سینکڑوں تشنگان علوم نبویہ کی علمی پیاس بجھانے کے بعد داعی اجل نے لقائے حبیب کی دعوت دی اور آپ اس پر لبیک کہتے ہوئے ۱۱ر رجب المرجب ۱۴۳۰ھ کو اس عالم فانی سے رخصت ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت کا تعمیری ذہن زندگی کے ہر شعبے میں ہمارا معاون ومددگار ثابت ہوگا۔

ع ابر رحمت تیری مرقد پہ گہرباری کرے

انہی چند سطور کے ساتھ میں بارگاہ ایزدی میں دعا گو ہوں کہ اے مالک حقیقی! ہمیں اور ہمارے جملہ قارئین کرام کو حضور مفتی صاحب کے فیضان کرم سے مالا مال فرما۔ اوران کے طریقۂ کار پر عمل کرنے کی مزید توفیق عطا فرما۔ آمین ثم آمین۔

ازقلم: محمد احمد رضا اشرفی سمنانی

خادم التدریس دارالعلوم غریب نواز، حیدرآباد۔

شفیع اللہ خاں عرف بدھو

مورخہ ۱۳ر رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ بروز جمعہ انتقال فرما گئے۔ نماز جنازہ بروز سنیچر بعد نماز ظہر مولانا مبارک حسین رضوی مدرس جامعہ فاروقیہ بنارس نے پڑھائی۔

مرحوم تقریباً بیس سال سے ماہ نامہ اشرفیہ کا کام بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ ساتھ ہی ساتھ صوم وصلاۃ کے پابند، نرم مزاج اور حسن اخلاق کے پیکر تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور متعلقین کو صبر جمیل عطا کرے۔

ازقلم: (حاجی) ابرار احمد عزیزی، پیلی کوٹھی، بنارس

صدائے بازگشت

یہ کالم ایک "صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے"۔ اس کے تحت علمی، فکری، تنقیدی اور تجزیاتی مراسلات کو ترجیح دی جائے گی

امام احمد رضا کا فیضان

مکرمی مدیر اعلیٰ ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور......السلام علیکم

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ خاک ہند کا خمیر علم وفضل، فکروفن، حکمت وکمال، سے گوندھا ہوا ہے۔ اس خاک سے ہر زمانے میں علم وحکمت کا ایسا سرچشمہ پھوٹا ہے جس کو عالم انسانیت رہتی دنیا تک فراموش نہیں کرسکتی۔ شہر بریلی اسی خاک کا وہ مشہور مقام ہے جہاں چند ایسی شخصیتیں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئیں جن کے گیسوئے علم وحکمت نے ہزاروں تاریک دلوں میں حکمت ودانائی کا ایسا چراغ روشن کیا جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

جب محسن انسانیت کی عفت وعزت پر تھانہ بھون کے گستاخ اور دریدہ دہن نے حملہ کرنا شروع کیا تھا، حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں طرح طرح کی گستاخیاں ہورہی تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا انکار کیا جارہا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا بڑا بھائی کہا جارہا تھا، تو ایسے نازک دور میں اللہ رب العزت نے تمام باطل فرقوں اور ناپاک ذہنیت کی خاتمہ کے لئے شہیر عرب وعجم، مجدد اعظم شاہ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کو "العلماء ورثة الانبياء" کا تاج درخشاں پہنا کر اس دنیا میں بھیجا جنھوں نے قوم کی فلاح کے لئے اپنی زندگی کا ہر ہر لحظہ وقف کردیا۔

محترم قارئین! حقیقت نگاہوں کے سامنے چودھویں رات کے چاند کی طرح عیاں ہوگئی کہ امام ایک عبقری شخصیت کے مالک تھے۔ امام احمد رضا کی جلالت علمی کا یہ عالم تھا کہ عوام الناس میں سے جو بھی آپ سے ملا ہمیشہ کے لیے آپ کا مداح بن گیا۔ بہر کیف دن گزرتا گیا رات کٹتی گئی آپ کی علمی ضوفشانیوں سے فرش گیتی کا ذرہ ذرہ بقعہ نور بنتا گیا اور دین کی تبلیغ ہوتی گئی، انسانیت اپنے موقف کو پہچاننے لگی۔ امام احمد رضا کا تعمیری ذہن زندگی کے ہر شعبے میں ہماری رہنمائی کرتا رہا، اور ان شاء اللہ حین حیات کرتا رہے گا۔

انہی چند سطور کے اختتام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ! ہم کو اور ہمارے تمام قارئین کرام کو حضور اعلیٰ حضرت کے فیضان کرم سے مالا مال فرما۔ آمین ثم آمین

محمد احمد رضا اشرفی سمنانی خادم التدریس دارالعلوم غریب نواز حیدرآباد۔

روزہ کے تعلق سے مضمون پسند آیا

حضرت فخر صحافت..................سلام مسنون

ستمبر کا شمارہ صوری ومعنوی خوبیوں سے آراستہ ہوکر نظر نواز ہے، خوب تر ہے۔ روزہ کے تعلق سے آپ کا مضمون کافی پسند آیا۔ بزم دانش کے ہر دو مضامین کی خوبیاں اپنی جگہ، انتخاب عنوان پر آپ لائق صد تبریک ہیں۔ خدا کرے کہ یہ مضامین اجارہ دار ادیبوں کی آنکھیں کھول دیں۔ بھلا علامہ ارشد القادری، پروفیسر مسعود احمد، پیر کرم شاہ ازہری اور علامہ محمد احمد مصباحی جیسے صاحب طرز ادیب محض اس بنیاد پر کہ اسلامی ادیب ہیں، ادب میں نمایاں مقام حاصل کرنے کے اہل نہیں۔ اللہ عقل وخرد سے نوازے۔ اس ضمن میں عام ادیبوں سے زیادہ قابل ستائش وہ ادیب ہیں جو عصری اداروں سے انسلاک سے پیش تر کسی دینی دانش گاہ کے خوشہ چین تھے، یا جن کی پرورش کسی اسلامی اور صرف اسلامی کنبے میں ہوئی۔

ویسے آپ اس طرح کے ایشوز اٹھاتے رہیں، حتی المقدور ادیبوں کو دعوت تحریر دیتے رہیں اور خود اپنی تحریر بھی سامنے لاتے رہیں، ان شاء اللہ مثبت نتائج برآمد ہوں گے اور اس خلیج کو پاٹنے میں کافی مدد ملے گی۔

سب سے زیادہ دکھ اس بات پر ہوتا ہے کہ ہمارا رسالہ اردوئے معلّی کا نمونہ ہوتا ہے، ہر تحریر میں عصری ہم آہنگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ ہر صاحب قلم اپنی تحریر کو موجودہ ادبی اسلوب سے قریب کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتا ہے۔ اگرچہ اس کے لیے اسے عوامی سطح سے بالاتر ہوکر خامہ فرسائی کرنی پڑے، بایں ہمہ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ادب محض سے ہٹ کر اسلامی ادب پر مبنی ہونے کے جرم میں اس قسم کی تمام تحریروں کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا جاتا ہے۔ ایسے حوصلہ شکن

حالات میں اس قسم کے ایشوز کو زیر بحث لانا نہ صرف بلند فکری کی دلیل ہے، بلکہ دردِ ملت سے مغلوبیت کا واضح اشاریہ ہے۔

خدائے قدیر سے استدعا ہے کہ پروردگار عالم سب کو حق شناسی، عدل گستری، مساوات اور انصاف پروری کی توفیق خیر مرحمت فرمائے۔ فقط

خالد ایوب مصباحی

صوفیہ محلہ، شیرانی آباد، ناگور، راجستھان

اشرفیہ جگمگا رہا ہے

عزیز گرامی قدر.................عید مبارک ہو

اشرفیہ ماہ اکتوبر باصرہ نواز ہوا۔ ماشاء اللہ خوب سے خوب تر ہے۔ ماہ نامہ اشرفیہ دہ گزار ارتقا بڑی شائستگی اور شگفتگی کے ساتھ طے کر رہا ہے، مگر ابھی منزل دور است۔ سیکڑوں ادبی دینی رسالے چلے، کچھ تو حالات سے بیزار ہو کر بیٹھ گئے، کچھ مالیات کی تنگی ساحل پہ ڈوبے، کچھ اپنوں کی بے اعتنائی کا شکار ہوئے۔ کچھ نے پہلے خوب آب و تاب دکھائی، معلوم نہیں کیوں چند مہینوں بعد ماند پڑ گئے۔ اللہ عز و جل اور بطفیلِ سرورِ کائنات علیہ الصلاۃ والسلام ہمارا اشرفیہ جگمگا رہا ہے، مبارک کو مبارک ہو۔

مشمولات میں صابر سنبھلی، آفاق فاخری سلمہ، وصی مکرانوی وغیرہم راہِ فکر و فن میں ضیا باری کر رہے ہیں۔ خدائے پاک اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ان سب کو اور روشن و تاب ناک کرے۔ نثریات میں ہمارے ذی استعداد علمائے مصباحی سنیت کو اپنی کاوشوں سے نواز رہے ہیں۔ ان کی فکر و صلاحیت اور تابش کو حسنِ عقیدت و محبت ملے، میری کثیر دعائیں۔

ایک عرصہ سے اپنی مصروفیات کی وجہ سے اشرفیہ سے غائب تھا۔ آج چند اشعار اپنے مرشد کی شان میں نذر ہیں، پسند آئیں تو اچھے گوشہ پر جگہ دیں۔ احسان و کرم کا ممنون ہوں گا۔ فقط

بیکل اتساہی عفی عنہ، بلرام پور

مجلسِ برکات کی خدمات قابلِ تقلید ہیں

پیکرِ اخلاص و محبت حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاجِ عالی! کافی مہینوں بعد "ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور" کے معروف کالم "صدائے بازگشت" میں شرکت کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ آپ کا موقر جریدہ پابندی کے ساتھ مل رہا ہے۔ لیکن اکتوبر ۲۰۰۹ء کا شمارہ تاخیر سے پہنچا۔ اس کی وجہ ہندوستان کا نظامِ ڈاک ہے جو ہم پر کچھ زیادہ ہی مہربان ہے۔ اس کی غفلت و سستی کے باعث ہندوستان کا ہر فرد پریشان نظر آتا ہے۔ اللہ عز و جل اس سستی و کاہلی کو بیداری میں بدل دے۔ آمین۔

"اشرفیہ" جماعت اہل سنت کا وہ رسالہ ہے جو ۳۳ رسالوں سے مسلسل دین و سنیت کی بہترین خدمات انجام دے رہا ہے، جس کے دور رس نتائج و ثمرات بھی اربابِ علم و دانش محسوس کر رہے ہیں۔ کیوں نہ ہو کہ حضور حافظ ملت قدس سرہ کا اخلاص و جذبۂ خیر اس میں شامل ہے۔ اور ہمارے مدیر محترم حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی کا خونِ جگر اس کی آبیاری کر رہا ہے۔ مولانا موصوف کی جگہ اس بار مصلحِ قوم و ملت حضرت علامہ عبد المبین نعمانی صاحب نے ہمیں جھنجھوڑنے اور بیدار کرنے والا مناسب اور مفید اداریہ رقم فرمایا ہے۔ کاش ہم بیدار ہوتے تو یہ دن نہ دیکھتے کہ آج ہمارے اکابر کو پردۂ خفا میں رکھنے کی سازش رچی جا رہی ہے اور علم و تحقیق کی دنیا میں ہمارے اسلاف کی قربانیوں اور محنتوں کو فراموش کیا جا رہا ہے۔ خدا بھلا کرے امین ملت حضرت ڈاکٹر سید محمد امین میاں برکاتی مارہروی اور ہمارے دیگر علما کا کہ انھوں نے "مجلسِ برکات" قائم کر کے محققین علما و فقہا کی بے لوث خدماتِ جلیلہ کو نئی زندگی عطا کر دی اور ہمیں غیروں کی طعنہ زنی سے محفوظ کر لیا۔ "مجلسِ برکات" کی اشاعتی خدمات لائقِ تحسین و تبریک اور قابلِ تقلید ہیں۔

آج ہر خانقاہ کو بیدار ہونے کی اشد ضرورت ہے، بنیادی کاموں کو مزید فروغ و استحکام کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ آنے والی نسلیں ہمیں معاف نہیں کریں گی۔ آخر میں مدیر محترم کو میں "مجاہد ملت ایوارڈ" پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ مولا تعالیٰ ہماری خدماتِ دینیہ کو قبول فرما کر سعادتِ دارین سے سرفراز فرمائے، آمین۔ فقط

محمد اسلم رضا قادری، باسنی، ناگور، راجستھان

دعائے صحت کی اپیل

بخدمتِ اقدس حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضورِ والا! مودبانہ التماس ہے کہ مفتی اعظم پاکستان علامہ پیر ابو داؤد محمد صادق صاحب دامت برکاتہم العالیہ بہت سخت بیمار ہیں، کمزوری بہت ہی زیادہ ہو گئی ہے، چلنا پھرنا مشکل ہے، جس کی وجہ

سے سخت پریشانی ہے، اس لیے قبلہ موصوف کی صحت کی بہتری کے لیے خصوصی دعا فرمائیں اور خدارا جریدۂ حمیدہ اشرفیہ کی قریب ترین اشاعت میں دعائے صحت کی اپیل شائع فرما کر تمام اہل سنت پر احسانِ عظیم فرمائیں کیوں کہ مفتی ابو داؤد محمد صادق صاحب کا وجودِ مسعود ماشاء اللہ تمام اہلِ سنت کے لیے اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے اور نعمت کی جتنی بھی قدر کی جائے وہ کم ہے۔

امید کامل ہے کہ ہماری اس مخلصانہ گزارش کو ضرور شرف قبولیت سے مشرف فرمائیں گے اور ہمیں ہرگز مایوس نہیں کریں گے۔ حضورِ والا! اگر دورانِ تحریر اگر کوئی فروگزاشت ہو گئی ہو تو درگزر فرما دیں، نوازش ہوگی۔ فقط

محمد حمزہ صدیقی

مرکزی صدر انجمن فیضانِ اولیا، پاکستان

نوٹ:— عظیم عالم ربانی، بلند پایہ مصنف و صحافی پیر ابو داؤد محمد صادق دام ظلہ العالی کی بیماری کی خبر پا کر افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ انھیں جلد صحت عطا فرمائے۔ قارئین اشرفیہ سے دعائے صحت کی اپیل ہے۔ (مدیر اعلیٰ)

بہت دنوں بعد اتنی سچی بات سامنے آئی

عزیز گرامی مبارک حسین مصباحی صاحب......السلام علیکم

ستمبر ۲۰۰۹ء کا شمارہ پیشِ نظر ہے، کیا صوری، کیا معنوی ہر اعتبار سے نورٌ علیٰ نور ہے "حریم قدس کے سفیروں کے نام" کے عنوان سے آپ کا طویل اداریہ پڑھ کر بہت دیر تک میں اپنے آپ میں گم رہا اور سوچ رہا تھا کہ بہت دنوں بعد اتنی سچی بات سامنے آئی ہے۔ جیسے مجھ کو یوں لگا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے۔

بہر حال دین و ملت کے تئیں آپ کی دردمندی، جگر سوزی دیکھ کر مجھے اقبال کے یہ دو شعر یاد آتے ہیں جسے انھوں نے "روحِ محمد" کے عنوان سے کہا ہے:

شیرازہ ہوا امتِ مرحوم کا ابتر
اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے
اس راز کو اب فاش کر اے روحِ محمد
آیاتِ الٰہی کا نگہبان کدھر جائے

نعتِ پاک اشرفیہ کے لیے حاضرِ خدمت ہے۔ امید ہے پسندِ اشاعت فرمائیں گے۔ رفقائے اشرفیہ کو سلامِ خلوص پہنچے۔ والسلام

فاخر جلال پوری، جلال پور، امبیڈکر نگر (یو.پی.)

اشرفیہ کے مضامین سند کی حیثیت رکھتے ہیں

محترم مدیر.................سلام ورحمت

اکتوبر ۲۰۰۹ء کا شمارہ نگاہوں کے سامنے اپنی جلوہ ریزیاں بکھیر رہا ہے۔ مہمان اداریہ بہت خوب ہے۔ "اکابر اہل سنت اور ہماری غفلت" کا یہ جملہ "جس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ ہماری بہت سی سنی شخصیات کو چابک دستی سے غیروں نے اپنا لیا" اور ہم چپ چاپ اسے تسلیم کرتے رہے۔

اپنا ہے کون غیر جو پہچانتے نہیں
وہ زندگی کے پیچ کو ابھی جانتے نہیں

اس ضمن میں اشرفیہ اور مصباحی علمائے دین حضرات ہی اہم فریضہ انجام دے سکتے ہیں، کیوں کہ سب سے فعال ادارہ اور صاحب عزم و حوصلہ ارکان اشرفیہ کے پاس ہیں۔ خداوند قدوس آپ کی سعیِ جمیل اور بلند اعتماد کو اور مستحکم کرے۔ آمین۔

"ابلیس کی مجلسِ شوریٰ کا دوسرا اجلاس" کی تیسری قسط میں نے ایک بار نہیں کئی بار پڑھی۔ تشنگی باقی رہ جاتی ہے۔ مولانا محمد اسحاق مصباحی صاحب کو میری جانب سے بہت بہت مبارک باد۔ اللہ تبارک وتعالیٰ صحت و تندرستی کے ساتھ ان کی عمر دراز کرے۔ آمین ثم آمین۔

"حفاظِ حدیث کا تعارف" مولانا کوثر امام قادری کا مضمون بہت ہی پر مغز اور قابلِ ستائش ہے۔ اس مضمون کا یہ حوالہ "حافظ وہ شخص ہے جس کا علم ایک لاکھ حدیث کو متن و سند، احوال رواۃ، جرح و تعدیل اور تاریخ کے ساتھ محیط ہو۔" اس کا مطالعہ علم میں اضافہ کرتا ہے۔

"خاموشی کے محاسن و فوائد" بہت ہی سبق آموز ہے۔ مترجم جناب عبد الخیر اشرفی مصباحی نے اردو قارئین پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔

بزمِ دانش میں ہر بار کی طرح بہت ہی دانش مندانہ گفتگو کی گئی ہے۔ منظومات کے لیے کم از کم دو صفحات رکھیں تو انصاف ہوگا۔

آپ کا رسالہ ہر پہلو اور ہر اعتبار سے معیاری ہے۔ اس کے مضامین سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چند تازہ نعتیہ کلام کے ساتھ اپنا شعری مجموعہ "ٹوٹے ہیرے، بکھرے موتی" لے کر حاضر ہوں۔ اشرفیہ میں اس پر تبصرہ ضرور کریں گے۔ متشکر و ممنون ہوں گا۔ فقط۔

ڈاکٹر وصی مکرانی واجدی، نیپال

مبارک تحریر

مفکر اسلام فخر صحافت حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسلکِ اعلیٰ حضرت کا ترجمان مبارک رسالہ ''ماہ نامہ اشرفیہ'' اپنی تمام تر مبارک خوبیوں کے ساتھ مبارک سے مبارک ہوتا ہوا باصرہ نواز ہوا۔ عادت کے مطابق سب سے پہلے آپ کا مبارک اداریہ دیکھا، لکھا تھا ''حریم قدس کے سفیروں کے نام'' پڑھنا شروع کیا تو پڑھتا چلا گیا۔

مبارک قلم سے نکلی ہوئی یہ مبارک تحریر دل پر اثر کرتی چلی گئی۔ یقیناً اس مبارک تحریر پر اگر مساجد کے ائمہ حضرات اور ٹرسٹی حضرات کے لیے اگر عمل کریں تو ان کے حق میں مبارک ثابت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مبارک صاحب کی اس مبارک تحریر پر عمل کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ فقط

محمد احمد رضا رضوی

دارالعلوم غوث اعظم، جامع مسجد بھانوڈ، گجرات

ایک ضروری وضاحت

قارئینِ اشرفیہ.................السلام علیکم

افسوس اور دکھ کے ساتھ آپ کی بارگاہ میں عرض کیا جارہا ہے کہ ماہ نامہ اشرفیہ کے ستمبر ۲۰۰۹ء کے شمارہ میں مندرجہ ذیل عبارت صفحہ بیس کے آخر اور اکیس کے شروع میں شائع ہوگئی تھی: ''بعض کو ہم نے مصر پڑھنے بھیجا۔ الخ'' اس میں ناقل سے سطر چھوٹ گئی تھی۔ اصل عبارت یوں ہے:

''بعض کو ہم نے مصر پڑھنے بھیجا مگر واپس ہونے پر ان کا میدانِ عمل تنگ رکھا اور مقصد سے ہٹانے کی کوشش کر رہے ہیں، اس کے لیے ذرائع تلاش کر رہے ہیں۔ باقی دنیاوی درس گاہیں تو وہاں پر ہم نے طلبہ کی داڑھی اتار لی، زنا کا عادی بنا دیا اور مکمل یورپ کی تہذیب کا پتلا بنا دیا۔ الخ''

میں غلط عبارت شائع ہونے پر تمام قارئین سے معافی مانگتا ہوں اور شرعاً اس سے توبہ کرتا ہوں۔ خداے تعالیٰ بھلائی کی توفیق دے۔ فقط والسلام۔

محمد اسحاق رضوی مصباحی

لالہ نگلہ، پوسٹ کیسری، ضلع رام پور (یو. پی.)

(ص: ۴۶ رکا بقیہ)......حضرت ملا احمد جیون اور شیخ غلام نقش بندی لکھنوی علیہما الرحمۃ سے بھی اکتساب علم کیا۔

(۳)-میر سید لطف اللہ قادری صغروی معروف بہ شاہ لدھا، سید شاہ کرم اللہ (علیہما الرحمۃ) کے صاحب زادے تھے۔ آپ کا ذوق وشوق عبادت الٰہی کی طرف اس قدر تھا کہ آپ کی ہر سانس سے تقویٰ کی خوشبو آتی تھی اور سنِ شعور میں قدم رکھتے ہی خداشناسوں کی جماعت کے اسرار ورموز سے واقف ہوگئے تھے۔ (اللہ والے بلگرام کے، ص: ۵۶)

(۴)-سید زین العابدین معروف بہ پھندن میاں صغروی واسطی۔ آپ ان اللہ والوں میں سے تھے جن کی صحبت مردہ دلوں کو نئی زندگی عطا کرتی تھی اور اعتقاد وعمل کو جلا بخشتی تھی۔

(۵)-مخدوم ملت سید شاہ اویس مصطفیٰ قادری صغروی دامت برکاتہم۔ آپ خانقاہِ بلگرام کے موجودہ سجادہ نشین ہیں، تقویٰ وطہارت، متانت وسنجیدگی اور حسن سلوک آپ کو اپنے آباے کرام سے وراثت میں ملا ہے۔

یہ کتاب بابِ تذکرہ نویسی میں ایک حسین اضافہ ہے۔ یہ وقت کا تقاضا تھا کہ اس طرح کی کتاب سامنے آئے تاکہ اس کے ذریعہ عوام کا رشتہ اپنے بزرگوں سے استوار رہے۔ میری نظر میں اس کی سب سے بڑی خصوصیت کتاب میں شامل تذکروں میں اخیر کے دو تذکرے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ تذکرے کسی اور کتاب کی زینت ہو، لیکن میری نظروں نے اس کتاب کے علاوہ کہیں اور نہیں دیکھا۔

مصنف گرامی وقار مولانا محمد نور الحسن اویسی صاحب قابل مبارک باد ہیں جنھوں نے بڑی سلیقہ مندی سے سادات بلگرام سے چند بزرگوں کے حالات قلم بند کیے۔ ان کی ذات سے یہ امید ہے کہ مزید ان بزرگوں کے حالات بھی قیدِ تحریر میں لائیں گے جو ابھی تک تحریر سے آزاد ہیں یا جن پر بہت کم لکھا گیا ہے۔

کتاب کے اندر پانچ بزرگوں کے علاوہ بلگرام شریف کی تاریخ، ساداتِ زیدی کا خاندانی پس منظر، بلگرام میں ان کا ورود اور سادات کرام کے فضائل ومناقب بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں۔ مزید علماے کرام کی تقریظات بھی زینتِ کتاب ہیں جو کتاب کو اور مستند بنا رہی ہیں۔ دعا ہے کہ پروردگارِ عالم اس کتاب کو شرف قبول عطا فرمائے، قارئین کو بیش از بیش فائدہ پہنچائے اور مصنف کو مزید تصنیف وتالیف کا حوصلہ بخشے۔ آمین بجاہ سید المرسلین، صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔ ☆☆☆☆☆

عالمی خبریں

ساؤتھ افریقہ میں مسجد محمدیہ قادریہ کا سنگ بنیاد

لینز، ساؤتھ افریقہ کے مسلمانوں کے لیے وہ بہت ہی خوشی کا موقع تھا جب ۱۰ ررجب المرجب، مطابق ۳ رجولائی ۲۰۰۹ء کو ''مسجد محمدیہ قادریہ'' کا سنگ بنیاد زیر اہتمام حضرت مولانا محمد نوشاد عالم قادری مصباحی غازی پوری، بانی دارالعلوم محمدیہ قادریہ لینز کی قیادت اور علما ومشائخ کی موجودگی اور ہزاروں عوام کی موجودگی میں رکھا گیا۔

مسجد کی زمین کے سلسلے میں محمد نوشاد عالم مصباحی کئی سال سے کوششیں کر رہے تھے۔ ساؤتھ افریقہ کی مسلم آبادی کے اس سب سے بڑے شہر میں زمین کا ملنا تقریباً ناممکن ہے، لیکن بقول اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ۔

اے رضا ہر کام کا اک وقت ہے دل کو بھی آرام ہو ہی جائے گا

اس شہر کے متصل ہائی وے کے خوب صورت اور بارونق مقام پر مسجد کی تعمیر کے لیے (تقریباً ستر لاکھ روپے کے عوض) زمین حاصل کر لی گئی۔ حصولِ زمین کے ایک ہفتہ بعد اس مقام پر جمعہ کی ادائیگی اور بعد جمعہ سنگ بنیاد کا پروگرام رکھا گیا۔

خوب صورت پنڈال میں جمعہ کی اذان دی گئی، تھوڑی دیر کے بعد مولانا محمد نوشاد عالم مصباحی نے علامہ سید محمد علیم الدین مصباحی بانی دارالعلوم قادریہ غریب نواز لیڈی اسمتھ کو خطاب کی دعوت دی۔ انھوں نے پندرہ منٹ تک تعمیر مسجد کی اہمیت کے عنوان پر خطاب فرمایا اور مولانا محمد نوشاد عالم مصباحی کے انڈیا میں قائم کردہ ادارے جامعہ قادریہ پونہ، جامعہ قادریہ للبنات پونہ، جامعہ قادریہ اور مسجد قادری برار غازی پور کا ذکر کرتے ہوئے ان کی دینی خدمات کا تذکرہ بڑے خوب صورت انداز میں فرمایا۔ مولانا نے کہا کہ کچھ لوگ اپنی پہچان آپ ہوتے ہیں۔ مولانا محمد نوشاد عالم مصباحی کو میں زمانۂ طالب علمی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور سے جانتا ہوں۔ دورانِ طالب علمی ان کی دینی سرگرمیوں کا جذبہ دیکھ کر اندازہ تھا کہ یہ آگے چل کر بہت کچھ کرنے والے ہیں۔ الجامعۃ الاشرفیہ سے فراغت کے بعد ان کا ایک ماہ بھی خالی نہیں گزرا۔ ایک ادارے کی تعمیر کا کام ختم دوسرے کا فوراً شروع۔

اور صرف یہ نہیں کہ ادارہ قائم کر دیا۔ قائم کرنا اور بات ہے، قائم کر کے اتنی خوش اسلوبی سے چلانا اور بات ہے۔ زمانہ گواہ ہے کہ مولانا کے قائم کردہ پونہ سے لے کر غازی پور تک کے تمام ادارے بہت اعلیٰ پیمانے پر چل رہے ہیں۔ مجھے ان پر فخر ہے۔ یہ حافظ ملت کے گلشن، الجامعۃ الاشرفیہ کی ایسی فصلِ بہار ہیں جس پر خزاں کا اثر نہیں ہوتا۔ یہاں ان کی خدمات آپ حضرات مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ میری دعا ہے کہ مسجد اور مسجد سے متصل دارالعلوم کے منصوبے میں اللہ تعالیٰ انھیں کامیابی عطا فرمائے۔

ان کے بعد حضرت علامہ مفتی عبد النبی حمیدی (پاکستان) جو امیر دعوت اسلامی مولانا محمد الیاس قادری کے خلیفہ اور ساؤتھ افریقہ اور تمام افریقی ممالک کے امیر دعوت اسلامی ہیں، انھوں نے عربی خطبہ پڑھا۔

جمعہ کی امامت شیخ القرآن مفتی غلام سرور قادری پاکستان نے ادا فرمائی۔ بعد نمازِ جمعہ مفتی غلام سرور قادری نے فضیلت تعمیر مسجد پر ایمان افروز تقریر فرمائی اور مولانا محمد نوشاد عالم مصباحی کی خدمات کو سراہتے ہوئے فرمایا کہ میں ان کو ۱۹ رسال سے ان کی دینی خدمات کی بنیاد پر پہچانتا ہوں۔ اس شہر کی وہابیت اور تبلیغیت کے ماحول میں وہ اہل سنت وجماعت کی جو خدمات انجام دے رہے ہیں، انھیں دیکھ کر میرا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ کئی کمیٹیاں مل کر جو کام نہیں کر پاتی ہیں، مولانا مصباحی نے اکیلے اس کام کو کر دکھایا ہے۔ مولانا اپنی ذات میں ایک انجمن ہیں۔ آج آپ لوگ خالی گراؤنڈ میں مسجد کی زمین پر جمعہ ادا کر رہے ہیں، کچھ دنوں بعد یہاں عالی شان مسجد کے اندر جمعہ ادا کریں گے۔ اس مسجد کے سنگ بنیاد کے موقع پر میرے دل کی گہرائیوں سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سنیت کے اس مجاہد کے بازوؤں میں مزید طاقت عطا فرمائے۔

ان کے بعد مفتی عبد النبی حمیدی مائک پر تشریف لائے اور انھوں نے مولانا مصباحی کو مبارک باد دیتے ہوئے فرمایا کہ ہم سب کی دلی تمنا تھی کہ ساؤتھ افریقہ کی مسلم آبادی کے اس سب سے بڑے شہر میں کوئی ایسی مسجد بنے جو سنیوں کے لیے مرکزی مقام ہو، الحمد للہ! ہم سب کی آرزوؤں کو مولانا محمد نوشاد عالم مصباحی پورا کر

رہے ہیں۔ مولانا محمد نوشاد عالم مصباحی کی مسحور کن شخصیت کا یہ حیرت انگیز کردار ساؤتھ افریقہ کے سنی مسلمانوں کو ہمیشہ یاد رہے گا۔ ہم لوگ کوئی کام شروع کرنا چاہتے ہیں تو مستقبل کی کامیابی اور ناکامی کو سو مرتبہ سوچتے ہیں اور پھر مایوس ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ لیکن مولانا مصباحی نہ تو گرد و پیش کے بادِ مخالف کی پروا کرتے ہیں، نہ پر شور دھاروں سے خائف ہوتے ہیں۔ اپنی کشتی کے آپ ناخدا بن کر بس اپنی منزل پر نگاہ رکھتے ہیں، اور سچی بات یہ ہے کہ یقیں محکم، عمل پیہم کی تصویر ہیں مولانا محمد نوشاد عالم مصباحی۔

تمام اہلِ سنت و جماعت اور خصوصیت سے دعوتِ اسلامی کی طرف سے ہم مبارک باد پیش کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ پچیس ہزار رینڈ اس مسجد کی تعمیر کے لیے تحریکِ دعوتِ اسلامی کی طرف سے دینے کا اعلان کرتے ہیں۔

پھر حضرت سعید علی چوبدات خلیفہ سروری قادری سلسلہ ساؤتھ افریقہ، صاحب زادہ غوث کمال وغیرہم نے یکے بعد دیگرے اس خدمت کو سراہتے ہوئے مبارک باد پیش کی۔ پھر نعرۂ تکبیر و رسالت کی گونج میں مولانا سید محمد علیم الدین مصباحی نے علمائے کرام و مشائخِ عظام کو بلانا شروع کیا۔ یکے بعد دیگرے تمام علما و مشائخ نے اس مسجد کے سنگ بنیاد کی روحانی تقریب میں اپنے ہاتھوں سے اینٹ رکھ کر حصہ لیا۔ علامہ سید محمد علیم الدین مصباحی نے ایک خاص رقم اپنی طرف سے عطا فرما کر دوسروں کو بھی ترغیب دلائی، پھر تمام عوام و خواص نے رسمِ سنگ بنیاد میں حصہ لیا۔

جو علما و مشائخ اس تقریب سنگ بنیاد میں شریک ہوئے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ مفتی غلام سرور قادری پاکستان۔ مفتی عبد النبی حمیدی، پاکستان۔ حضرت علامہ سید محمد علیم الدین مصباحی، لیڈی اسمتھ۔ حافظ محمد اسماعیل صاحب، مدینہ منورہ۔ حضرت خلیفہ سعید علی چوبدات سروری قادری سلسلہ ساؤتھ افریقہ، مولانا اسلم قادری، امام سلطان باہو مسجد، جوہانس برگ۔ مولانا عتیق اللہ صاحب لیڈی اسمتھ، صاحب زادہ غوث کمال صاحب، انڈیا، قاری محمد اظہار، لیڈی اسمتھ، حاجی غلام حسین داؤد خلیفہ رفاعی سلسلہ، حافظ فیصل کرولیا وغیرہ۔

از: حافظ قاری محمد شعیب اشرفی،
مدرس مدرسہ محمدیہ قادریہ، لینز، ساؤتھ افریقہ

رودادِ چمن

عرس علامہ حافظ عبدالرؤف علیہ الرحمہ

فتاویٰ رضویہ کے مرتب حضرت علامہ حافظ عبدالرؤف علیہ الرحمہ سابق شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ کے عرس کی تقریب عزیز ملت حضرت علامہ عبد الحفیظ صاحب سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ کی زیرِ صدارت عمل میں آئی، جس میں بڑی تعداد میں علما و طلبہ نے شرکت فرمائی۔ خصوصی خطیب مولانا مبارک حسین مصباحی نے خطاب کے دوران فرمایا کہ علامہ عبدالرؤف علیہ الرحمہ نے اپنی پوری زندگی علمِ دین کی اشاعت میں صَرف کی۔ شہرت اور نام و نمود سے کوسوں دور ان کی زندگی تعلیمات نبوی کی تبلیغ کے لیے وقف تھی۔ فتاویٰ رضویہ کی ترتیب و تدوین جیسا صبر آزما عمل ان کی محنت و مشقت اور فروغ دین سے سچی لگن ہی کا نتیجہ ہے۔ علامہ عبدالرؤف علیہ الرحمہ درس نظامی کے تمام علوم و فنون پر یکساں دسترس رکھتے تھے۔ آپ کے سیکڑوں تلامذہ آج اکابر اہل سنت کی صف میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ آج کسی کو بھی ملہرِ رضویات لکھ دیا جاتا ہے۔ فتاویٰ رضویہ کی تدوین و ترتیب ایک اکیڈمک کام تھا جسے انھوں نے بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا، وہ بھی ایسے حالات میں کہ ظاہری اسباب و وسائل کا فقدان تھا۔

صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ حضرت مفتی نظام الدین رضوی صاحب نے حافظ عبدالرؤف صاحب کا تعارف پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ دار العلوم اشرفیہ کو جامعہ اشرفیہ بنانے کی پلاننگ سے لے کر آخر تک وہ حافظ ملت کے دست و بازو بنے رہے اور اشرفیہ کو اوج کمال تک پہنچانے کے لیے انھوں نے اپنی زندگی وقف کر دی۔ وہ کسی ایک علم میں نہیں بلکہ تمام علوم متداولہ میں مہارت رکھتے تھے۔ ایک عالمِ باعمل، مخلص مدرس اور جفاکش منتظم تھے۔

دیگر شرکا میں مولانا اعجاز مصباحی، مولانا زاہد علی سلامی، مولانا احمد رضا مصباحی، مولانا اختر کمال قادری، مولانا نعیم الدین عزیزی، مولانا صدر الوریٰ مصباحی، مولانا اسرار مصباحی وغیرہ موجود تھے۔ عرس میں جامعہ اشرفیہ کے اساتذہ کے علاوہ مدرسہ اسلامیہ اشرفیہ سلٹھی اور دیگر مدارس اہل سنت کے علمانے بھی شرکت فرمائی۔

پروگرام کا اختتام حضرت علامہ عبد الشکور مصباحی شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی دعا پر ہوا۔ (ادارہ)

خیر و خبر

باسنی میں دو روزہ سنی تعلیمی کانفرنس

۱۱؍۱۲؍اگست ۲۰۰۹ء بروز منگل، بدھ، سنی تبلیغی جماعت باسنی ناگور شریف راجستھان کے زیر اہتمام آٹھویں سہ سالہ "سنی تعلیمی کانفرنس" حضور مفتی اعظم راجستھان کی صدارت میں منعقد ہوئی، جس میں مقتدر علما و ائمۂ مساجد نے شرکت کی اور اپنے گراں قدر تاثرات پیش کیے۔

پہلی تقریب: ۱۱؍اگست کو صدر بازار میں منعقد ہوئی۔ طلبہ و طالبات نے اپنے پروگرام پیش کیے، اس کے بعد اربابِ علم نے اس کی تیس سالہ دعوتی سرگرمیوں کے حوالے سے اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا۔ تقریباً ڈیڑھ بجے صلاۃ و سلام اور دعا پر مجلس ختم ہوئی۔

۱۲؍اگست کو صبح ۹؍بجے مدرسہ اسلامیہ رحمانیہ میں علمائے امت کی ایک میٹنگ طلب کی گئی۔ ڈاکٹر حسن رضا خاں پٹنہ کے خطاب کے بعد پیر سید غلام حسین جیلانی کی دعا پر میٹنگ اختتام پذیر ہوئی۔

تیسری تقریب: ۱۲؍اگست کو بعد نماز عشا منعقد ہوئی، جس میں مفتی شیر محمد خان رضوی نے مختصر مگر جامع خطاب فرمایا۔ آپ کے بعد ۲۲؍حضرات کو ان کی دینی و ملی خدمات کی وجہ سے سند اعزازی، کتاب اور شال پیش کی گئی اور کئی مدرسین کو ان کی تبلیغی اور تدریسی خدمات کی بنا پر کتب اسلامیہ بطور انعام دی گئیں۔ پھر خصوصی خطیب ڈاکٹر حسن رضا پٹنہ کا جامع خطاب ہوا۔ اخیر میں حضور مفتی اعظم راجستھان نے خطاب فرمایا۔ نظامت مولانا ابوبکر صاحب نے فرمائی۔

از: محمد اسلم رضا قادری، مدرسہ اسلامیہ رحمانیہ، باسنی، ناگور

مدنی میاں عربک کالج کا سالانہ جلسہ

۲؍اگست ۲۰۰۹ء بمقام چھوٹی مسجد، ہبلی مدنی میاں عربک کالج ہبلی کا سالانہ جلسۂ تقسیم اسناد، پیر طریقت الحاج سید محمد قاسم اشرف اشرفی الجیلانی عرف بابا صاحب کچھوچھہ شریف کی صدارت میں اور مولانا الحاج قاضی سید شمس الدین برکاتی ناظم اعلیٰ مدنی میاں عربک کالج کی نظامت میں منعقد ہوا، جس میں مہمانِ خصوصی مفتی محمد شہاب الدین اشرفی و مقرر خصوصی مولانا عبد الحکیم وقار اشرفی گلبرگہ شریف نے شرکت فرمائی۔

کالج سے فارغ ہونے والے علما، حفاظ اور قرا کو سند عنایت کی گئی۔ پھر صدر اجلاس مہمانِ خصوصی اور تمام علمائے کرام کی گل پوشی کی گئی، بعدہ صدر جلسہ بابا صاحب نے عظمتِ والدین و عظمتِ رسول کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ جلسہ کا اختتام شب کے ڈیڑھ بجے صلاۃ و سلام اور دعا پر ہوا۔

از: مقبول بیگ، مدنی میاں ایجوکیشن ٹرسٹ، ہبلی، کرناٹک

شیرانی آباد میں انعامی مسابقہ

۱۸؍اگست، سرزمینِ شیرانی آباد پر تنظیم "مجلس فکر و اصلاح" کی طرف سے "مجلس مشاورت"۔ "تحریری و تقریری انعامی مسابقہ" اور "جشن رحمۃ للعالمین" کا انعقاد کیا گیا۔

صبح ساڑھے ۹؍بجے سے ساڑھے ۱۲؍بجے تک اربابِ علم اور صاحب قرطاس و قلم نے تحریری و تقریری طور پر طے شدہ امور پر تبادلہ خیال کیا اور مقالات پیش کیے۔ بعد نماز ظہر بچوں کے درمیان تقریری مسابقہ ہوا اور بعد نماز عشا پھر طے شدہ عناوین پر خطبا نے خطاب کیا۔

تقریر میں تین عناوین پر ۱۳؍طلبہ نے حصہ لیا "تربیت اولاد اور اسلام" "بے پردگی کے مضر اثرات" "اطاعت والدین" ہر سہ عناوین پر بالترتیب صدام حسین جامعہ نجم العلوم مکرانہ، عبد الستار و اصغر علی متعلمین فیضان اشفاق ناگور نے اول پوزیشن حاصل کی، جب کہ تین عناوین "نماز کے طبی فوائد، مغربی تہذیب ایک لعنت، معاشرے کی بری رسمیں (نشان دہی اور حل)" تشنہ لب ہی رہ گئے۔

تحریر کے چھ عناوین: (۱) حضرت صوفی حمید الدین ناگوری علیہ الرحمہ۔ (۲) ہندوستان کے عروج و ارتقا میں مسلمانوں کا کردار۔ (۳) سنت نبوی اور جدید سائنس۔ (۴) دورِ رواں میں تبلیغ اسلام۔ (۵) صحابۂ کرام اور تدوینِ حدیث۔ (۶) عظمت قرآن۔ ان موضوعات پر ۲۲؍مقالے موصول ہوئے، جن میں اول تا چہارم بالترتیب اول پوزیشن کے مستحق قرار پائے۔ (۱) اصغر علی، فیضان اشفاق ناگور (۲) محمد حسن، فیضان اشرف، باسنی (۳) ذاکر حسین، جامعہ ہاشمیہ سجان گڑھ (۴) شہادت علی، فیضان اشرف باسنی۔

سرپرستی مولانا محمد حنیف خاں سربراہِ اعلیٰ سنی تبلیغی جماعت اور صدارت مولانا عمر فاروق نے فرمائی۔

از: خالد ایوب مصباحی، رکن مجلس فکر و اصلاح، ناگور، راجستھان

دار العلوم فیضان اشرف کا سالانہ جلسہ

۴؍اگست دار العلوم فیضان اشرف، ناگور کا سالانہ جلسہ بڑے تزک و احتشام کے ساتھ منایا گیا۔ نماز ظہر کے بعد مسجد میں ختم بخاری شریف کی محفل کا آغاز ہوا۔ تلاوت قرآن اور نعت پاک کے بعد مختلف علمائے کرام کے خطاب ہوئے۔ مفتی اعظم راجستھان حضرت مفتی محمد

اشفاق حسین نعیمی مدظلہ العالی نے بخاری شریف اور امام بخاری سے متعلق بڑی قیمتی معلومات فراہم کیں۔

حضرت مفتی اعظم راجستھان نے بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دیا اور دعائیں کیں۔ نظامت کے فرائض مولانا حاجی اصغر علی فیضانی نے انجام دیے۔

نمازِ عشا کے بعد جلسے کا پروگرام شروع ہوا۔ اس کی صدارت مفتی اعظم راجستھان نے فرمائی اور نظامت کے فرائض مولانا ابوبکر اشرفی نے انجام دیے۔ حافظ غلام محمد رضوی نے قرآن کریم کی تلاوت کی۔ چند علمائے کرام کے مختصر بیانات کے بعد ادارے سے فارغ ہونے والے طلبہ کی دستار بندی ہوئی۔ دستار بندی کے بعد طلبہ کے سالانہ مجلّہ "مقالات فیضان اشرف" کی رسم اجرا سید محمد ہاشمی میاں کے ہاتھوں عمل میں آئی، جس کی ترتیب کا کام امسال مولانا قطب الدین رضا مصباحی نے انجام دیا تھا۔ پھر مقرر خصوصی مولانا سید محمد ہاشمی میاں کا خطاب ہوا۔ صلاۃ وسلام کے بعد حضرت مفتی اعظم راجستھان کی دعاؤں پر جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

از: محمد حسین رضوی، متعلم دارالعلوم فیضان اشرف، باسنی، ناگور

تیئیسواں عرس سلامی قادری

۱۰ر ستمبر ۲۰۰۹ء بروز جمعرات مخدوم ملت حضرت علامہ مفتی عبد السلام نعیمی قادری علیہ الرحمہ کا تیئیسواں عرس سلامی قادری بڑی عقیدت و محبت کے ساتھ منایا گیا۔ اس موقع پر قرب وجوار اور بیرونی علما کی ایک کثیر تعداد جمع ہو گئی تھی۔ پروگرام کا آغاز مولانا غلام عباس اجملی کی تلاوت قرآن کریم سے ہوا۔ آصف رضا، محفوظ عالم، نعیم الدین انتخاب، نظام الدین اور راحت عزیزی نے نعتیں پڑھ کر بارگاہ رسالت میں خراج عقیدت پیش کیا۔ مختلف علمائے کرام کے متنوع موضوعات پر بڑے اچھوتے خطابات ہوئے۔ مولانا توصیف رضا مصباحی نے اولیاے کرام کی عظمت و رفعت پر معلومات افزا گفتگو کی۔ انھوں نے اپنی تقریر میں لوگوں کو اولیاے کرام کے نقوش راہ کو اپنانے کی تلقین کی اور اسی کو کامیابی کا راز بتایا۔ پیر طریقت حضرت مولانا وحید اللہ میرٹھی، نائب سجادہ آستانہ عالیہ، راج شاہی، سراواں شریف نے جھوٹ، فریب، مکاری اور بے حیائی سے بچنے اور ایک دوسرے کا حق ادا کرنے سے متعلق بڑا پر مغز خطاب فرمایا۔

اخیر میں سجادہ نشیں وشہر مفتی حضرت مفتی زاہد علی سلامی مدظلہ العالی نے شجرہ شریف پڑھا، پھر مولانا راحت عزیزی کے صلاۃ وسلام اور مولانا وحید اللہ میرٹھی کی دعاؤں پر عرس کی جملہ تقریبات اختتام کو پہنچیں۔ اس موقع پر مولانا نفیس اختر مصباحی، مولانا نفیس اشفاقی، مولانا شہروز مصباحی، مولانا مطلوب برکاتی، مولانا شکیل مصباحی، عبدالغفور سلامی، مولانا محبوب نوری، حاجی طاہر سلامی، یامین برکاتی، ماجد خاں، ڈاکٹر طاہر رزاقی وغیرہم موجود تھے۔

از: محمد طفیل احمد مصباحی

R.N.I. No.: 29292/76 Regd. No.: AZM/N.P.28

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur, Azamgarh (U.P.)-276 404 (INDIA) Phone: (05462) 250092, 250149, Fax: 251448

http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail:info@aljamiatulashrafia.org November 2009